اُردو مرکز لائبریری

اُردو ادب کے جاں فروز مرثیوں کا علمی انتخاب

پیامِ زندگی

جلد چہارم

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
(اقبال)

مُرتّبہ
مولینا تاجور نجیب آبادی پروفیسر دیال سنگھ کالج ایڈیٹر اتحاد

بہ اعانت

حضرات اراکین اُردو مرکز لاہور

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلیشرز لاہور

اُردو مرکز لاہور

ملک کی واحد اکیڈمی (اُردو مرکز لاہور) انتخاب ہفت کشور پنجاب کے دارالسلطنت لاہور میں ذیل کے اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک بڑے سرمایہ سے قائم کی گئی ہے۔

(۱) اُردو لٹریچر کے ذخیرۂ بیکراں میں سے اُس جاندار اور مفید حصے کو جو محفوظ رکھنے کے قابل ہے۔ حتی الامکان تاریخی ترتیب کے ساتھ مجلدات میں شایع کرنا۔

(۲) اُردو زبان کی مکمّل انسائیکلوپیڈیا کی تالیف۔

(۳) ایک جامع اُردو لُغات کی ترتیب۔

(۴) اُردو مرکز کی مجلس ادبا (جو درحقیقت اردو زبان کے لئے ایک ادبی دارالافتاء ہے) کے ذریعہ علمی ضروریات کے مناسب جدید الفاظ کی اختراع و متنازع فیہ امور کے متعلق ناطق فیصلہ کرنا۔

ایک باوقار علمی جماعت جسمیں ملک کے سربرآوردہ اہلِ قلم اور منتخب انشاپرداز شریک ہیں اُردو مرکز مذکورہ بالا اہم مقاصد میں سے پہلے مقصد کی تکمیل پر اپنی تمام تر توجہ مبذول کئے ہوئے ہے اسکی پہلی زرّین کوشش تیس گرانقدر مجلدات کی صورت میں قدرشناس نگاہوں کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ آنریبل سر شیخ عبدالقادر بالقابہ۔ خان بہادر شیخ نور الٰہی آئی۔ ای۔ ایس۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی جیسے نقادانِ ادب کے مشوروں کے ماتحت یہ مجلدات جماعت اُردو مرکز نے ترتیب دئیے ہیں۔ قدرشناس اہلِ نظر نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ تو ہم کم و بیش ڈیڑھ سو مجلدات شائع کرکے اردو مصنّفین کو بڑی بڑی لائبریریوں سے بے نیاز کردینگے۔

تاجور نجیب آبادی۔ پروفیسر دیال سنگھ کالج۔ ایڈیٹر "اتحاد" و چیف ایڈیٹر اردو مرکز لاہور

گیلانی آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام [illegible] چھپی

فہرست مضامین

پیامِ زندگی

جلد چہارم

شہادت حضرات عون و محمدؑ

دیباچہ جلد دوم

شہادت حضرات عون و محمد کے متعلق پہلی جلد فصیح۔ دلگیر۔ خلیل۔ ضمیر۔ انیس کے مراثی پر مشتمل ہے۔ اس واقعہ پر اس کثرت سے زور دیا گیا ہے کہ شاید شہادت حضرت امام حسینؑ پر بھی کم و بیش اتنے ہی مرثیے کہے گئے ہوں۔ دراصل بات یہ ہے۔ کہ یہ پُر درد واقعہ چند در چند وجوہ سے خود بھی اسی توجہ کا مستحق ہے۔

(۱) نوعمر صاحبزادوں کی الوالعزمانہ شجاعت

(۲) ایک محترم خاتون (حضرت زینب) کی خواہرانہ محبت و شریفانہ ایثار کی پُر درد مثال۔

(۳) علم نہ ملنے پر حضرات عون و محمد کی کبیدگی۔ پھر اس کبیدگی سے ولولۂ جانبازی میں اشتعال۔

(۴) فریق مخالف کی طرف سے حضرات عون و محمد کو بلا لینے کی تدبیر۔ اس پر ان صاحبزادوں کا جوش استقلال و وفاداری۔

(۵) صاحبزادوں کے شہید ہو جانے پر حضرت زینب رضؓ کے مادرانہ محبت میں جوش و ہیجان۔ فطری جذبات اور صبر کی باہمی کشاکش۔

غرضکہ یہ تمام واقعات ایسے ہیں کہ طبع آزمائیوں کیلئے ایک وسیع جولانگاہ مرثیہ نگار کے سامنے آجاتی ہے۔ اور ہر موضوع بے اختیار دامن دل کھینچنے لگتا ہے۔ کہ جا اینجا است۔

شہادت حضرات عون و محمدؑ

جلد دوم

حضرات عون و محمدؑ اپنے محترم ماموں حضرت امام حسینؑ سے اذنِ جنگ حاصل کرنیکے بعد خیمہ اہل بیت میں آخری ملاقات کے لیئے حاضر ہوتے ہیں۔ غم نصیب ماں (حضرت زینب) دونوں صاحبزادوں کو زیورِ جنگی سے آراستہ کرکے انہیں چند حسبِ حال مفید ہدایات دے کر ان کے حوصلے بڑھاتی ہے۔

اس گھر کے بزرگوں کا چلن تیغ زنی ہے　　جو فقر میں کرتا ہے سخاوت وہ غنی ہے
کیا شہرۂ خیبر شکنی بت شکنی ہے　　جو بات پہ سر دے وُہ سخاوت کا دھنی ہے

بودے کی کہاں آنکھ کہاں مرد کے تیور
چھپتے نہیں لاکھوں میں جوانمرد کے تیور

حقائق زرّیں

ہمراہ کوئی واں سے نہیں لاتا ہے رتبہ　　جو نام پہ مرتا ہے وہی پاتا ہے رتبہ
سر بیچ کے ذیقدر کو ہاتھ آتا ہے رتبہ　　ہٹتا ہے قدم بڑھ کے تو گھٹ جاتا ہے رتبہ

مر کر نہ ہٹے قابل احسنت وہی ہے
جو کھیت میں سر سبز ہو سانت وہی ہے

درسِ شجاعت

دریا کی طرف پیاس میں تکتے نہیں غازی　　گر شیر بھی جھپٹے تو سرکتے نہیں غازی
تلواروں میں آنکھوں کو جھپکتے نہیں غازی　　بجلی بھی گرے گر تو جھجکتے نہیں غازی

دم ہونٹوں پہ آئے تو شجاعت نہیں جاتی
مرنے پہ بھی چہرے کی بشاشت نہیں جاتی

واری یونہیں تم بھی مرے کام آؤ تو جانوں
آقا کی اطاعت کو بجا لاؤ تو جانوں
ان چھاتیوں پر زخم سناں کھاؤ تو جانوں
لڑ بھڑ کے جب اس فوج سے مرجاؤ تو جانوں

جرار ہو سب حال سے محرم ہیں تمہارے
مجھ کو ابھی دھڑکا ہے کہ سن کم ہیں تمہارے

ماں صدقے گئی گھاٹ پہ دریا کے نہ جانا
پانی کی طرف پیاس میں گھبرا کے نہ جانا
ساحل پہ کبھی سر رہ ہوا پا کے نہ جانا
صابر ہو تو رہواروں کو گرما کے نہ جانا

کیوں جاؤ ادھر نہر پہ کیا کام تمہارا
ہو جائے گا اس معرکہ میں نام تمہارا

ہدایات جنگ

اک بھائی لڑے بڑھ کے جو ہاتھ ایک کا تھک جائے
بلوا ہو پھر اس پر تو یہ بھر کمک جائے
ہاتھوں میں صفائی ہو کہ بسمل بھی پھڑک جائے
گر صف ہو تو پسپا ہو پرا ہو تو سرک جائے

اس جنگ کا چرچا سحر و شام رہے گا
دنیا میں اگر تم نہ رہے نام رہے گا

دونوں نے کہا ہوگا یہی فضل خدا سے
کیا بات ہے جیتے ہیں تو مر جائینگے پیاسے
ہم اور نہیں کوئی علی کے ہیں نواسے
غافل نہ رہیں آپ غلاموں کی دعا سے

کچھ ہم سے نہ تلوار سے نے ڈھال سے ہوگا
جو ہوگا وہ سب آپ کے اقبال سے ہوگا

ارشادِ حضرت کا بجالائیں تو مجرم بھولے سے بھی دریا کی طرف جائیں تو مجرم
ڈر جائیں تو بے وقر جو ہٹ جائیں تو مجرم بڑھ بڑھ کے نہ شمشیر و سناں کھائیں تو مجرم

دونوں شہزادے بمائے شجاعت و مردانگی کے درمیان اشتیاق موت اور سپاہیانہ استقلال کا اظہار کس لطیف پیرائے میں کرتے ہیں

جوشِ بیان

جیتے ہیں تو بے صف شکنی ہم نہ رہینگے مجبور ہیں سینوں میں اگر دم نہ رہینگے
سر کاٹیے گا پاؤں جو محکم نہ رہینگے لڑکے ہیں جوانوں سے مگر کم نہ رہینگے
جینا کسی صورت ہمیں مطلوب نہیں ہے
اب کیا کہیں خود اپنی ثنا خوب نہیں ہے

جب کہہ چکے یہ جوشِ شجاعت میں وہ گلرو آنکھوں سے ٹپکنے لگے رخساروں پہ آنسو
لپٹا کے گلے کہنے لگی زینب خوشخو اللہ یہ غصہ ہے کہ بل کھاتے ہیں گیسو
ایک ایک جری دشتِ ستم لاشوں سے بھر دے
اللہ تمہیں لشکرِ اعدا پہ ظفر دے

مرقع نگاری

زہرا کے بہ لیں دونوں کے چہروں کی بلائیں اور تھام کے بازو کو پڑھیں آپ دعائیں
فرمایا کہ رخصت جنہیں ہونا ہو وہ آئیں لو بی بی ہو سب آ تو نبچے مرے جائیں

مخدومات عظام حضرات عون و محمد کو شاہانہ طور پر رخصت کرتی ہیں۔ دونوں بھائی جھک کر آخری تسلیم بجالاتے ہیں۔

خیمے سے برآمد ہوئے زینب کے جو دلبر دیکھا کہ حسین ابن علی آئے ہیں در پر
یوں جھک گئے تسلیم کو حضرت کے وہ صفدر منہ کر کے سوئے چرخ پکارے شہ بے پر
یہ وہ ہیں جو آغوش میں زینب کے پلے ہیں
بچے بھی تری راہ میں مرنے کو چلے ہیں

کہہ کر یہ سخن دونوں کو گھوڑوں پہ چڑھایا دونوں نے شرف پایۂ معراج کا پایا
بجلی کا سب انداز سمندوں نے دکھایا دوڑے کہ دکھائی نہ دیا دھوپ میں سایا
ثابت نہ ہوا ایک پر کیا ہو گئے دونوں
جنبش کو جو دیکھا تو ہوا ہو گئے دونوں

زور بیان

ایک ایک سے جاندار گراں قدر سبک رو وہ جست وہ کاوے[1] وہ طرارے وہ دوا دو
کیلوں کی وہ تابش وہ ہر اک نعل کا پرتو تاروں میں دکھاتے تھے چمک چار مہ نو
یوں ذہن میں آتے ہی نکل جاتے ہیں سن سے
جس طرح نسیم آکے نکل جائے چمن سے

شکلیں بھی جری جرأت و سرعت کے علاوا دو گام تھا جنکے لئے سو کوس کا دھاوا
قد ایک سے شکل ایک سی اور ایک سا کاوا یہ گشت میں بجلی وہ رواروی میں چھلاوا
شوخی میں یہ آہو تھا اگر دلیر تھا وہ بھی
یہ بادیہ پیما تو فلک سیر تھا وہ بھی

[1] کاوا۔ یعنی گھوڑے کو چاروں طرف پھرانا۔

گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے پہنچے جو بہادر
فوج ستم آرا ہوئی سب غرق تحیر
اک شور ہوا کون سے دریا کے ہیں یہ دُر
لڑکے ہیں یہ اللہ رے اقبال و تہوّر

کیا جانیے کیا نام ہیں ان کے اب و جد کے
تیور سے یہ پیدا ہے کہ بچے ہیں اسد کے

لطفِ تشبیہات

پیشانیاں خورشید جہانتاب سے بہتر
رخسارہ رنگیں گل شاداب سے بہتر
دانتوں کی صفا گوہر نایاب سے بہتر
چہروں کا عرق موتیوں کی آب سے بہتر

ابرو نہیں پیشانیٔ ذیقدر کے نیچے
ہیں دو مہ نو بال سے اک بدر کے نیچے

رنگینی تخیّل

حیران ہیں عدو حسن پہ اور دونوں کے سن پر
ابرو وہ کمانیں ہیں کہ قربان ہیں اپنی
آنکھیں وہ کہ پریوں کی نظر پڑتی ہے جن پر
گیسو ہیں کہ سایہ کیا ہے رات نے دن پر

تلوار چلی پھر گئی جنتوں جدھر اُن کی
غصے میں سروہی سے سوا ہے نظر اُن کی

فوجیں نہیں ٹھہریں یہ جہاں جم کے لڑے ہیں
ہاتھ ان کے تو فولاد کے پنجے سے کڑے ہیں
چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ جرار بڑے ہیں
دیکھو یہ کہ بپھرے ہوئے دو شیر کھڑے ہیں

رکتے نہیں جن لوگوں کے بھالے یہ وہی ہیں
ہے فتح و ظفر جن کے حوالے یہ وہی ہیں

اتنے میں کیا سب نے لڑائی کا سر انجام
کھانے لگے ہر صف میں علمہائے سیہ فام
برچھی کہیں چمکی کہیں چمدھر کہیں صمصام
بدلی کی طرح جھوم کے آئی سپہ شام
اس بھیڑ پہ بھی بند تھے دہشت سے دم انکے
بڑھ بڑھ کے ہٹے جاتے تھے پیچھے قدم انکے

اس شور میں بشاش کھڑے تھے وہ دلاور
پروا تھی نہ مطلق کہ یہ فوج آتی ہے کس پر
کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا کہ برادر
دیکھیں تو ذرا آپ قریب آگیا لشکر
وہ کہتا تھا تکیہ ہے عنایات احد پر
آنے دو اجل ان کو لئے آتی ہے زد پر

زور بیان

آتا ہے شکار آپ سے جس دم طرف شیر
دالسنہ وہ کرتا ہے جھپٹنے میں ذرا دیر
جاتے ہیں کہاں اب تو یہ آئے تہ شمشیر
جس جا ہیں صفیں ہوتے ہیں لاشوں کے وہیں ڈھیر
کھلجائیگا جب تیغچے کھینچینگے کمر سے
عرصہ فقط اتنا ہے کہ سبقت ہو ادھر سے

تھوڑے میں ابل پڑتے ہیں جو ہیں تنک ظرف
جب گرم ہوا مہر درخشاں تو کہاں برف
سر جائے یہ آئے نہ شجاعت پہ کوئی حرف
اس نہج سے عمر اپنے بزرگوں کی ہوئی صرف
ہاتھ اپنا چلیگا تو جگہ پا کے چلے گا
ٹھوکر وہی کھائیگا جو گھبرا کے چلے گا

اتنے میں لشکر شام پیشقدمی کرتا ہے

بس پھر تو دھنسے فوج میں وہ شیر درندہ
تلواروں سے ڈر ڈر کے چھپے مردوں میں زندہ

آہو سے بھی چالاک تھے اسپان وو ننک
لڑنے میں جو بجلی تھے تو اڑنے میں پرندہ

پریشانی لشکر

خالی تھی جو یہ صف تو پریشاں وہ پرا تھا
جنگل ستم ایجادوں کی لاشوں سے بھرا تھا

رنگ اڑ گئے تھے چہروں سے لشکر پہ ڈرا تھا
تھرّاتا تھا وہ ہاتھ جو قبضے پہ دھرا تھا

ڈر سے نہ بڑھا تے تھے جو سرکش قدم اپنے
تیغیں بھی نیاموں میں چرائے تھیں دم اپنے

نیمچوں کی تعریف

کیں میں تھی ضیا نیمچوں کی ضو کے برابر
گویا کہ مہ نو تھا مہ نو کے برابر

بجلی نہ چمک سکتی تھی پر تو کے برابر
سر ناک پہ پڑتے تھے سو سو کے برابر

بچتا تھا نہ وہ نوک بھی جا لگتی تھی جس کو
رہ جاتا تھا وہ چل کے ہوا لگتی تھی جس کو

برش شمشیر

کاٹی جو سپر فرق جفا جو پہ نہ ٹھہری
منھ پر نہ رُکی ساعد و بازو پہ نہ ٹھہری

چار آئینۂ ظالم و بد خو پہ نہ ٹھہری
دشمن کی زرہ کاٹ کے پہلو پہ نہ ٹھہری

کیا نور تھا کیا ضربت شمشیر نکو تھی
گھوڑے کی بھی گردن اُسی اک وار میں دو تھی

چار آئے جو لڑنے کو تو اک دل ہوئے دونوں ٹھہرے نہ ہٹے نہ مُتاہل ہوئے دونوں
گرما کے فرس جنگ پہ مائل ہوئے دونوں چاروں سے یہ فرما کے مقابل ہوئے دونوں
ششدر نہیں ہوتے جو سپاہی لعنت کے ہیں
تم چار ہو ہم دو ہیں مگر پنجتنی ہیں

یہ سنتے ہی بچوں پہ جھپٹ کر وہ پل آئے[1] غصے سے دلیروں کے بھی ابرو پہ بل آئے
لشکر نے یہ جانا کہ وہ بچ کر نکل آئے آنا تھا کہ چاروں نہ تیغ اجل آئے
احسنت کا برپا ہوا غل چرخ بریں پر
ٹکڑے جو گنے چار کے تھے آٹھ زمیں پر

یہ تھک کے جو ٹھہرا تو وہ لشکر میں در آیا[2] رستے کو تڑپتی ہوئی لاشوں سے بھر آیا
یہ ڈوب گیا جب وہ اُدھر سے ادھر آیا اک چاند تہ خاک چھپا اک نظر آیا

ادھر دونوں بھائی مصروف وغا ہیں ادھر امام عالیجاہ اعزا میں کھڑے ہوئے بھانجوں کی شجاعت و مردانگی پر جھوم رہے ہیں۔

مرقع نگاری

جانبازیاں دکھلاتے تھے میدان میں وہ جانباز دل تھامے ہوئے دیکھتے تھے شاہ سرافراز
قاسم کا سخن تھا کہ علی کا ہے سب انداز فرماتے تھے اکبر یہ لڑائی ہے کہ اعجاز

---

[1] جھپٹ کر۔ حملہ کر کے

[2] در آیا۔ گھس آیا۔

بڑھتے تھے کبھی گاہ سرک جاتے تھے عباس
جب وار وہ کرتے تھے بھڑک جاتے تھے عباس

ہر بار صدا دیتے تھے اے گیسوؤں والو کیا کہنا ہے پھر بڑھ کے یہی ہاتھ نکالو
رہوار بڑھے جاتے ہیں باگوں کو سنبھالو حلقہ ہے کڑی آنکھ زرہ پوشوں پہ ڈالو
ہاں شیروں کے شیروں کا یہی کام ہے شیرو
پیچھے ہیں تمہارے سپہِ شام ہے شیرو

حضرت زینب اپنے جگر گوشوں کے متعلق فضہ سے دریافت کرتی ہیں

فضہ ہاتھ کے اشارے سے میدانِ جنگ کا منظرِ خونی دکھا کر کہتی ہے +

وہ رخ پہ نظر آتے ہیں اڑتے ہوئے گیسو وہ نیمچے بجلی کی طرح گرتے ہیں ہر سو
ڈھالیں لئے وہ بھاگتے پھرتے ہیں جفا جو وہ ابر میں چھپ چھپ کے نکل آتے ہیں مہ رو
بہتا ہے لہو چھاتیوں سے چور ہیں دونو
میں کس کو پکاروں کہ بہت دور ہیں دونو

زینب نے کہا دونوں ہیں یک جا کہ جدا ہیں کی عرض یہ فضہ نے نہیں ایک ہی جا ہیں
لاکھوں ہیں عدو اور وہ دو ماہ لقا ہیں منہ نہر سے پھیرے ہوئے سرگرم وغا ہیں
دم خوف سے سینے میں سماتا نہیں اب تو
ہے ہے مجھے چھوٹا نظر آتا نہیں اب تو

یہ ذکر تھا جو طبلِ بجا فتح کا ناگاہ چلائے حرم لٹ گئی بنت اسد اللہ
سجدہ کو سوئے قبلہ جھکیں زینب ذیجاہ دوڑے طرف دشت وغا روتے ہوئے شاہ
آلودۂ خوں دو مہِ کامل نظر آئے

گودی کے پلے خاک پہ بسمل نظر آئے

نازک حالت

سرتا بقدم[1] چور تھے زخموں سے تن زار
انگڑائیاں لینے سے رگیں کھنچتی تھیں ہر بار

پیکان سہ پہلو تھے کئی چھاتیوں کے پار
تلواریں تھیں قبضوں میں مگر ہاتھ تھے بیکار

لب پہ سخن تشنہ شہ والا نہیں آئے
دم ہونٹوں پہ آئے مگر آقا نہیں آئے

تاثیر بیان

لاشوں کے قریب آکے پکارے شہ صفدر
اے بھانجو موجود ہے یہ بیکس و بے پر

یہ گرم زمین اور یہ گل سے تن انور
ریتی سے اٹھا کر مرے زانو پہ رکھو سر

ماموں سے عجب وقت میں منہ موڑ[2] رہے ہو
کن آنکھوں سے دیکھوں ہیں کہ دم توڑ رہے ہو

خم ہو کے یہ چھوٹے کو علمدار پکارے
اے تشنہ دہن ای مرے جانی مرے پیارے

کیا منہ میں زباں اینٹھ گئی پیاس کے مارے
چونکو کہ عجب حال ہے ماموں کا تمہارے

ہاتھوں کو ذرا جوڑ کے کچھ بات تو کر لو
بیٹا شہ والا سے ملاقات تو کر لو

سنکر یہ صدا ہوش میں آئے وہ دلاور
سر رکھدیے گھبرا کے شہ دیں کے قدم پر

اٹکے تھے جو اکھڑے ہوئے دم سینونکے اندر
دو ہچکیاں لیں دونوں صغیروں نے برابر

---

[1] سرتا قدم۔ سر سے لیکر پاؤں تک

[2] منہ موڑنا۔ منہ پھیر لینا۔

فردوس معلّٰی کے مسافر ہوئے دونوں
کروٹ بھی نہ بدلی تھی کہ آخر ہوئے دونوں

عباس نے کی عرض یہ با دیدۂ خونبار   خیمے سے نکل آئیں نہ سیدانیاں یکبار
لے چلئے انہیں خیمے میں اب یا شہ ابرار   بہتر ہے کہ ماں دیکھ لے فرزندوں کا دیدار

امام عالیجاہ دونوں بھائیوں کو اٹھوا کر خیمے میں لاتے ہیں۔ گھر بھر میں کہرام برپا ہو جاتا ہے خصوصاً حضرت علی اکبر تو اس المناک منظر کی تاب نہیں لا سکتے۔

اُن دونوں کے عاشق تھے علی اکبر گلرو   چھوڑا نہ انہوں نے بھی کبھی بھائی کا پہلو
ایسا یہ نہیں غم کہ تھمیں آنکھ سے آنسو   بس تلخ ہوئی زندگی اکبرِ خوشخو

کل تک تھی ہم آج اکیلے ہوئے دونوں
بھائی بھی وہ جو ساتھ کے کھیلے ہوئے دونوں

اسوقت غم نصیب زینب نے
حضرت سے کہا آپ کو ایذا ہوئی یا شاہ   کس طرح لڑے دونوں غلامانِ ہوا خواہ
حضرت نے کہا مدح میں قاصر ہے زباں[1] آہ   زینب مجھے یاد آ گئی جنگ اسد اللہ

نانا کی طرح دونوں نواسوں نے دغا کی
بچوں کی نہ تھی جنگ یہ قدرت تھی خدا کی

تیغوں میں یہ تیزی یہ صفائی نہیں دیکھی   یہ ضرب یہ پھرتی یہ لڑائی نہیں دیکھی
شیروں کی یہ پُر زور کلائی نہیں دیکھی   اعدا میں یہ ہل چل یہ دہائی نہیں دیکھی

[1] زباں قاصر ہے

صفین و جمل میں بھی تو رن ایسے پڑے تھے
تم پوچھ لو عباس بھی نزدیک کھڑے تھے

یہ سنتے ہی سُرخی سی رُخ زرد پہ آئی
حضرت سے کہا آپکا صدقہ ہے یہ بھائی

کونین میں عزت مرے دلبندوں نے پائی
اب شاد ہوئی اُن سے ید اللہ کی جائی

آقا مجھے پیار آتا ہے اقبال پر ان کے
بیکس میں خدا رحم کرے حال پر ان کے

فرما کے یہ لیں اُن کی بلائیں کئی باری
شانوں کو ہلا کر کے یہ آہستہ پکاری

کرتے ہیں امام دو جہاں مدح تمہاری
یہ کیا ہے جو تسلیم کو اٹھتے نہیں واری

صدقے گئی یہ نیند ہے یا غش میں پڑے ہو
بیٹھے ہیں حسین ابن علی تو اُٹھ کھڑے ہو

تاثیر بیاں

کچھ آج ہے غفلت عجب اے نیند کے ماتو
باعث ہے یہ بچپن کا سبب نیند کے ماتو

چونکو میری خاطر سے اب اے نیند کے ماتو
پھر سو رہیو آتی ہے شب اے نیند کے ماتو

پھر کیا ہے جو بچپن کے یہ انداز نہیں ہیں
گردن ہے کہیں ہاتھ کہیں پاؤں کہیں ہیں

محاکاتِ غم

اب ضبط کی طاقت نہیں ماموں کو سنبھالو
انگڑائیاں لو بات کرو نیند کو ٹالو

سینے میں الجھتا ہے دم اے گیسوؤں والو[1]
ماری مجھے خدمت کے لئے پاس بلالو

---

[1] دم الجھنا۔ دم رک کر آنا

بیں ہونگی تو راحت سے نہیں یاس نہوگی
کیا گذرے گی منزل پہ جو ماں پاس نہوگی

تاثیر بیان

پہلا تو سفر اور نئے لوگ نئی راہ۔ کس طور سے گذرینگی یہ تاریک شبیں آہ
صدقے گئی رستے سے بھی تو تم نہیں آگاہ پہنچائے تمہیں خیر سے فردوس میں اللہ
پُرہول ہے رستہ مجھے تشویش بڑی ہی
قربان ہو ماں قبر کی منزل بھی کڑی ہے

بچوں کے یہ سن ہائے غضب اور سفر ایسا لائیگا خبر کون کہاں نامہ بر ایسا
برباد نہ ہو یوں کوئی آباد گھر ایسا نظروں سے نہ پوشیدہ ہو شمس و قمر ایسا
کس ناز و نعم سے یہ خوش اقبال پلے تھے
قبروں کے لئے آہ مرے لال پلے تھے

دنیا کو نہ دیکھا تھا کہ موت آگئی تم کو خیمے سے نکلتے ہی اجل پا گئی تم کو
ماں صدقے ہو جنگل کی ہوا بھا گئی تم کو اے گلبدنو کس کی نظر کھا گئی تم کو
مرتے ہوئے پانی بھی نہ مانگا میری ڈر سی
پیاسے سوئے فردوس سدھارے میری گھر سی

امام بھانجوں کی لاشیں باہر لیجانا چاہتے ہیں۔ حضرت زینب ارشاد کرتی ہیں

دیکھا نہیں جی بھر کے ابھی بیٹوں کا دیدار[1] دونوں کی بلائیں مجھے لے لینے دو اکبار
چھوٹے کو بھی چھاتی سے لگا لے یہ دل افگار مادر سے مکدّر نہوں یہ آئینہ رخسار

[1] "جی بھر کے دیکھنا" اچھی طرح دیکھنا۔ کہ نظر سیر ہو جائے۔

راحت کسی کروٹ کسی پہلو نہ ملے گی
مرجاؤں گی زلفوں کی جو خوشبو نہ ملے گی

مرثیہ کی ابتدا اس بیت سے ہوتی ہے:-

غل ہے میداں میں کہ زینب کے پسر آتے ہیں
وہ اُڑائے ہوئے گھوڑوں کو ادھر آتے ہیں

مرقع نگاری

سن تو کم ہیں یہ شجاعت کے دھنی ہیں دونوں [1] بھوکے پیاسے ہیں پہ ہمت میں غنی ہیں دونوں
سروِ بستانِ امام مدنی ہیں دونوں [2] کیسے آمادہ شمشیر زنی ہیں دونوں
ڈھالیں شانوں پہ ہیں اور ہاتھ میں شمشیریں ہیں
حمزہ و جعفر طیّار کی تصویریں ہیں

اسی سلسلۂ بیان میں یہ دو شعر خوب ہیں

بے بہا ایک صدف یہ کے گہر ہیں دونوں ایک ہی برج شرافت کے قمر ہیں دونوں
اُڑ [3] کے جاتے ہیں جدھر صید کی بو ہوتی ہے
شیر کے بچوں میں بھی شبّر کی خو ہوتی ہے

زلفوں کی تعریف میں کہتے ہیں:-

زلفیں چہروں پہ ہیں یا رات کا سایہ دن پر ہے غضب پیاس میں دو روز کی یہ دھوپ اپنیر

---

1. شجاعت کے دھنی - مرد میدان 2. امام مدنی - آنحضرت صلعم مراد ہیں 3. اُڑ کے جانا تیز تیز مارنا۔

ابرو و چشم کے متعلق ارشاد ہے۔

نرگسی آنکھوں پہ ابرو ہیں یہ جراروں کے
ہیں غزال ختنی[۱] سائے میں تلواروں کے

صاف دانتوں کے متعلق لکھتے ہیں:۔

صاف دانتوں سے ستاروں کی چمک پیدا ہے،

پھر واقعات رزم بیان کرتے ہیں۔

پسر سعد لعیں فوج سے نکلا ناگاہ
دوڑے ہر صف کے جمانے کو نقیبان سپاہ

ہر طرف ڈھالوں کا چھایا ہوا تھا ابر سیاہ
کہیں تلواروں کی کثرت سے نہ تھی جائے پناہ

شام کی فوج نے ہر سمت نشاں کھولے تھے
تدر اندازوں کے ترکش نے وہاں کھولے تھے

چوب پڑنے لگی نقارہ رزمی پہ ادھر
غیظ میں آئے ادھر راحت جان حیدر

بڑھ کے فرمایا کہ اے سعد کے منحوس پسر
سامنے شیروں کے آ جنگ کا دعویٰ ہے اگر

او لعیں جعفر طیار کے پیارے ہیں ہم
مالک صبر ہیں گو پیاس کے مارے ہیں ہم

اسوقت بڑے بھائی کو

چھوٹے بھائی نے صدا دی کہ حضور آپ بڑھیں
صید دب دب کے ہٹا جاتا ہے دور آپ بڑھیں

اپنے لشکر پہ ہے ظالم کو غرور آپ بڑھیں
پھر نہ ہاتھ آئیگا[۲] غدار ضرور آپ بڑھیں

اسکے جواب میں

تن کے[۳] یہ عون نے فرمایا کہ بہتر چلئے
چلئے اے قوت بازوے برادر چلئے۔

[۱] غزال ختن۔ علاقہ ختن کے ہرن مشہور ہیں۔ خوبصورت آنکھوں کو ہرن سے تشبیہ دی ہے۔

[۲] ہاتھ آئیگا۔ دستیاب ہوگا [۳] تن کے اکڑ کے

مصلحت خوب ہے یہ پہلے اسی پر چلیئے کیجیے راہواروں کو مہمیز[1] برابر چلیئے
اپنے گھوڑے بھی وہاں ہونگے جہاں جائیگا
بچ کے اب شیروں کے پنجے سے کہاں جائیگا

کہکے یہ دونوں دلیروں نے وبائے گھوڑے بن گئے اُڑکے پریزادوں کے سائے گھوڑے
منہ سے ہاں کہنے کی بھی تاب نہ لائے گھوڑے قلب لشکر میں صفیں پھاند کے آئے گھوڑے
کثرتِ فوج میں دونوں کے جو راہوار پھرے
جنگ کو بڑھ کے سوارانِ جفاکار پھرے

لطافتِ ادا

کیا لکھے وصف کمیت اب قلم تیز رقم نہیں تھمتے کوئی ساعت کوئی لمحہ کوئی دم
وہ سبکرو ہیں کہ غنچوں پہ جو رکھ دیں قدم کھلتی کلیوں کا تبسم نہ زیادہ ہو نہ کم
لاکھ بن بن کے چلے کبک تو کیا چلتی ہے
گھوڑے چلتے ہیں کہ گلشن میں صبا چلتی ہے

مبالغہ شاعرانہ

نظر آجائے لہو تن کا وہ جلدیں باریک کہیے ابریشم چینی تو ہے تشبیہ رکیک
تازیانہ ہے نسیم سحری کی تحریک سُرعتیں خون کے ہمراہ ہیں رگ رگ میں شریک
لاکھ دو لاکھ پہ بھاری ہیں[2] جو چار ایسے ہوں
گھوڑے چالاک ہوں ایسے تو سوار ایسے ہوں

[1] مہمیز کرنا ـ سرپٹ دوڑانا ـ

[2] "بھاری ہیں" ـ غالب ہیں ـ طاقت میں زیادہ ہیں

دیکھو ان کو تو نہ طاؤس کا چلنا دیکھو
جھوم کر تیغوں کے پنجے سے نکلنا دیکھو
کالی آنکھوں کا شجاعت سے اُبلنا دیکھو
اور غصے میں کنوتی کا بدلنا دیکھو
بگڑے جاتے ہیں ہوا جسم کو گر لگتی ہے
ایسی آنکھیں ہوں تو پریوں کی نظر لگتی ہے

معرکہ آرائی

پڑ گئی فوج میں ہلچل جدھر آئے دونوں
کٹ گیا تیروں کا جنگل جدھر آئے دونوں
پھٹ گئے ڈھالوں کے بادل جدھر آئے دونوں
پس گئے سینکڑوں پیدل جدھر آئے دونوں
بجلیاں کوندرہی تھیں سپہ دشمن میں
تیر پڑتے تھے کہ ساون کی جھڑی تھی رن میں

سر اُڑے تھے نہ اٹھی خاک سے پامالوں کے
نیمچے بڑھ کے چلے ابر اُٹھے ڈھالوں کے
چاک سینے ہوئے ہر صف میں زرہ والوں کے
زخم کیا کھل گئے منہ زخموں کے پرکالوں کے
نیمچے آکے جدھر سن سے نکل جاتے تھے
خون کا کیا ذکر ہے دم تن سے نکل جاتے تھے

تلوار کے متعلق لکھتے ہیں

مرقع نگاری

نہ کسی سنگ پہ کٹتی تھی نہ وہ آہن پر
نیمچے سر پہ کبھی تھے تو کبھی گردن پر
کبھی چار آئینوں پر تھے تو کبھی توسن پر
کبھی سینے پہ وہ چمکی تو کبھی جوشن پر
دوش تک جسکے وہ پہنچی کہ جدا شانے تھے
انگلیاں تھیں نہ کلائی تھی نہ دستانے تھے

گھاٹ وہ ان کی وہ باڑھ اور وہ اُن کا چم وخم — چھوڑتے تھے نہ زرہ تن پہ نہ چہرے پہ جھلم
چھپ کے چار آئینوں میں صورتِ حرفِ مدغم — یوں نکلتے کہ پھڑک جاتا تھا دشمن کا بھی دم

سایا پڑ جاتا تھا جس پر اُسے تپ آتی تھی
تابش ایسی تھی کہ بجلی بھی تڑپ جاتی تھی

غول تربھر ہوا جس دل میں در آئے وہ دلیر — کبھی اس پر کبھی اُس فوج پر آئے وہ دلیر
الاماں کا ہوا اک غل جدھر آئے وہ دلیر — آئے تلواروں میں جب بے سپر آئے وہ دلیر

شیر سینوں کو سپر کرتے تھے تلواروں میں
منہ چھپانا بھی بڑا عیب ہے جراروں میں

سن سے چل جاتے تھے جب فوج پہ تلوار کے ہاتھ — چھر کٹ جاتے تھے دس بیس کے دو چار کے ہاتھ
ہاتھ آئے تھے انہیں حیدر کرار کے ہاتھ — ایسے طیار تھے کب جعفر طیار کے ہاتھ

یوں سواروں کو اٹھا کر وہ پٹک دیتے ہیں
جس طرح گرد کو دامن سے جھٹک دیتے ہیں

اسی سلسلہ بیان میں کہتے ہیں

ترکش اعدا کے مع تیر و کمان چھین لئے — ڈانڈ نیزوں کے قلم کر کے سناں چھین لئے
پہلوانوں سے کئی گرزگراں چھین لئے — زور دادا کا دکھایا تو نشان چھین لئے

اوج لشکر کا ہوا پست پرے ٹوٹ گئے
بھاگے سردار علمداروں کے جی چھوٹ گئے

۱؎ پھڑک جانا" قربان ہونا۔

۲؎ تربھر ہونا" پریشان ہونا

مگر

پانوں گھوڑوں کے زمین نے دمِ جولاں پکڑے
موت نے بھاگنے والوں کے گریباں پکڑے
بیڑے ڈوبیں کہ بچیں موج کہاں تھمتی ہے
پانوں جب اُٹھ گئے پھر فوج کہاں تھمتی ہے

اس کے بعد دونوں بہادر

پسرِ سعد کے خیمے پہ چلے تھے اِک بار
پہلواں سامنے دو آ گئے باندھے ہتھیار
تول کر نیزوں کو ہاتھوں میں پکارے اشرار
کدھر آتے ہو بس اب آگے نہ بڑھیو زنہار
بجلیاں تیغیں ہیں نعروں میں صدا رعد کی ہے
ہم نگہبان ہیں یہ ڈیوڑھی پسرِ سعد کی ہے

گردِ خیمہ ہیں زرہ پوشوں کے سنگیں پہرے
جنکے تلواروں کے ہیں زخمِ سناں سر گہرے
خوف سے شیروں کے ہو جاتے ہیں پانی زہرے
جان کیا ہے جو ادھر آ کے پرندہ ٹھہرے
برچھیاں ہیں تبر و تیر ہیں تلواریں ہیں
یہ قناتیں نہیں فولاد کی دیواریں ہیں

یہ سنتے ہی

بڑھ کے نعرہ کیا چھوٹے نے کہ ہٹتے بھی ہیں شیر
برق چھپ جاتی ہے چمکی جو ہماری شمشیر

ادعائے شجاعت

برچھیاں کیا یہ تبر کیا ہیں یہ تلواریں کیا
درِ خیبر سے بھی ہیں سخت یہ دیواریں کیا
شرم کی بات ہے روباہوں کو للکاریں کیا
تم تو پہلے ہی سے دو ہو تمہیں ہم ماریں کیا

۱؎ نیزہ تول کر نیزہ سنبھال کر ۲؎ زہرے پانی ہو جاتے ہیں یعنی ہمت ٹوٹ جاتی ہے

یہ سنتے ہی پہلوان بھی جوش میں آجاتے ہیں - اور مقابلہ شروع ہوتا ہے -

رزمیہ

دونوں سفاک ہلانے لگے بھالے بڑھ کر دل بڑھانے لگے سب برچھیوں والے بڑھکر
آ گئے گرد سواروں کے رسالے بڑھ کر نیزے زینب کے بھی پیاروں نے سنبھالے بڑھکر
غل تھا خوں اڑنے سے گردوں پہ شفق پھولے گی
جو جیے گا یہ لڑائی نہ اسے بھولے گی
پہلوانوں نے بہت وار کئے ہٹ ہٹ کے دونوں شیروں نے جواب انکو دیے ڈٹ ڈٹ کے
تھام کر بھالوں کی نوکیں جو دیے دو جھٹکے چھین کر خاک پہ ان دونوں کے نیزے پٹکے

ردّ و بدل

جانب عون جو سرکش نے کیا نیر کو سر چھوٹے بھائی نے قلم کر دیا اس کو بڑھکر
کیا چھوٹے کی طرف تیر نے جسوقت گذر عون کی تیغ سے تھا نصف ادھر نصف ادھر
تیر کٹ کٹ کے ادھر اور ادھر گرتے تھے
گھوڑے ان دونوں کے بجلی کی طرح پھرتے تھے
دونوں بھائی دشمن کے تیروں کو دیکھ کر کہتے ہیں
انہیں تنکوں پہ تمہیں ناز ہے سبحان اللہ

اس کے بعد

۱؎ دل بڑھانا - ہمت دلانا -

زورِ بیان

کہکے یہ دونوں دلیروں نے علم کیں تیغیں ۔ برق[1] شرما گئی یوں دھوپ میں چمکیں تیغیں
کبھی سیدھا اُنہیں دیکھا کبھی خم کیں تیغیں ۔ آنکھ خورشید نے جھپکائی یہ دمکیں تیغیں
بدلیاں ڈھالوں کی کالی وہ چمک دھاروں کی
بجلیاں آنکھوں میں پھرنے لگیں تلواروں کی

لو گئے برق سے شہزادوں کے رہوار اُدھر ۔ لو بس اب گرم ہوا موت کا بازار[2] اُدھر
لو گریں بجلیاں دو تیغوں کی اکبار اُدھر ۔ لو پرے ہٹ گئے چلنے لگی تلوار اُدھر
کوششیں دونوں طرف ہوتی ہیں کد ہوتی ہے
ضرب جو ڈھالوں پہ پڑتی ہے وہ رد ہوتی ہے

گرد جھرمٹ ہوئے ہیں فوج کے سالاروں کے ۔ غول ہیں تیر کے پلے پہ کمانداروں کے
ان کے ہروار پہ دل ہلتے ہیں جراروں کے ۔ چار ہالے سے نظر آتے ہیں تلواروں کے
گرد سے شام کے آثار نظر آتے ہیں
نہ تو اسوار نہ رہوار نظر آتے ہیں

بھائی سے بھائی یہ کہتا ہے کہ قربان بھائی ۔ بڑھ کے اک وار سے اک وار چلے ہاں بھائی
عرض کرتا ہے وہ خالق ہے نگہبان بھائی ۔ لے لیا شاہ کے اقبال سے میدان بھائی
بجلیاں گرتی ہیں کس طرح ستمگر روکیں
پرزے ڈھالوں کے ہوئے تیغوں کو کیسے روکیں

---

۱ برق سے ۔ سے بمعنی مانند استعمال ہوا ہے ۔ بجلی کی طرح ۔ بجلی کی پھرتی کے ساتھ ۲ بازار گرم ہونا ۔ بازار رونق پر ہوا ۳ دل ہلتے ہیں ۔ دل لرزتے ہیں ۴ میدان لے لینا ۔ میدان جیت لینا ۔ جنگ فتح کرنا ۔

فاتحانہ حملہ

ہاں خبردار یہ کہکر جو وہ صفدر آئے — ملک الموت بھی کھولے ہوئے شہپر آئے
نیمچے دونوں کے آئے تو برابر آئے — تن رہے گھوڑوں پہ سر کٹ کے برابر آئے
ایک اک ضرب میں طے مرحلۂ جنگ کیا
دوسرے وار میں گھوڑوں کو بھی چوڑنگ کیا

لے کے جب تیغِ اجل موت کا پیغام آئی — دوست دوڑے نہ مدد کو سپہ شام آئی
نہیں بچتی کبھی ماہی جو تہِ دام آئی — ہاتھ دستانوں نے پکڑے نہ زرہ کام آئی
ڈر کے باگوں کو ادھر فوج ستم نے روکا
موت کو خود نے روکا نہ جھلم نے روکا

بیٹھیں تھیں زینبِ ناشاد جو پردے کے ادھر — علی اکبر انہیں آ آ کے یہ دیتے تھے خبر
کیا لڑے ہیں سپہ شام سے حضرت کے پسر — دیکھئے کشتوں[۱] کے پشتے ہیں وہ لاشے ہیں وہ سر
تیغیں جب چلتی ہیں سر خاک پہ گر پڑتے ہیں
شور ہے خیبریوں میں کہ علی لڑتے ہیں

سر کو نہوڑا کے کہا حضرت زینب نے کہ ہاں — یہی شادی ہے کہ بچ جائیں امام دوجہاں
دونوں معصوم کہاں فوج کا انبوہ کہاں — بیکس و بیوطن و فاقہ کش و تشنہ دہاں
ہاں صغیروں کو بھی اللہ ظفر دیتا ہے
پر مرا دل مجھے ماتم کی خبر دیتا ہے

---

۱ کشتوں کے پشتے لگنا۔ بیشمار سپاہیوں کا لڑائی میں کام آنا۔

ذکر یہ تھا کہ ادھر بجنے لگا طبلِ ظفر گر پڑی بنتِ علی تھام کے ہاتھوں سے جگر
بڑھ کے میدان سے یہ عباس نے دی شہ کو خبر چلیئے گھوڑوں سے گرے حضرت زینب کے پسر
ہم جنیں ہائے غضب اور وہ خوش اقبال نہ ہوں
فوج امنڈ آئی ہے لاشے کہیں پامال نہ ہوں

سنتے ہی شاہ سراسیمہ و مضطر دوڑے کہیں بسمل سے گرے اور کہیں اُٹھ کر دوڑے
تیغ تولے ہوئے عباس دلاور دوڑے چھوڑ کر خیمہ کا پردہ علی اکبرؓ دوڑے
گرد لاشوں کے جو تھے یوں وہ جفا جو بھاگے
جس طرح شیر کی بُو سونگھ کے آہو بھاگے

شہ نے ریتی پہ تڑپتے ہوئے پائے لاشے بڑھ کے عبّاس دلاور نے اُٹھائے لاشے
گود میں خیمے کی ڈیوڑھی پہ جو لائے لاشے فِضّہ چلائی کہ سیدانیوں آئے لاشے
موت بچپن میں گلوگیر ہوئی ہائے غضب
یوں تلف دولتِ شبیّر ہوئی ہائے غضب

ماتمی صف پہ جو لاشوں کو لٹایا لا کر حشر برپا کیا بیوؤں نے پچھاڑیں کھا کر
ہاتھ بانو نے جو سینوں پہ رکھے گھبرا کر شاہ کہنے لگے آنکھوں سے لہو برسا کر[1]
غش[2] تھے جب فوج سے لیکر انہیں ہم نکلے ہیں
ابھی دونوں کے مری گود میں دم نکلے ہیں

[1] آنکھوں سے لہو برسنا - خون رونا - انتہائے رنج والم کے وقت آنکھیں لال ہو جاتی ہیں - آنسو خون کے قطرے دکھائی دیتے ہیں - [2] "غش ہونا" بیہوش ہونا

ان کو درپیش ہے بھیناوہ مصیبت کا سفر جسمیں ہر گام پہ سو طرح کا ہی خوف وخطر
نہ خط آتا ہے جہاں سے نہ پہنچتی ہے خبر کسکو معلوم ہے منزل ہے کدھر راہ کدھر
دم لحد کی شب تاریک میں گھٹ جائیگا
قبر میں بھائیوں کا ساتھ بھی چھٹ جائیگا

پُرتاثیر انداز بیاں

لیکے لاشوں کی بلائیں یہ پکاری زینب کیسی غفلت ہے یہ اس نیند کے واری زینب
دیکھے کن آنکھوں سے یہ شکل تمہاری زینب چونک اٹھو اب نہ کرے گریہ وزاری زینب
صدقے ماں دونوں شہیدوں کے رُخ پرخوں پہ
ہائے تیروں کے یہ سوراخ تنِ گلگوں پہ

ماں کے بین

بس بہت سو چکے اے گیسوؤں والو اُٹھو اٹھو اب اے مرے دکھ درد کے پالو اٹھو
غش پہ غش آتے ہیں اماں کو سنبھالو اُٹھو آنکھیں ہاتھوں سے ملو نیند کو ٹالو[1] اُٹھو
طبل بجتے ہیں ادھر فوج کا غل ہوتا ہے
واری اماں کوئی یوں جنگ کے دن سوتا ہے
ہائے پہلا یہ سفر خوف کا اور تنہائی دھیان رکھنا کہیں چھٹ جائے نہ چھوٹا بھائی
کیا ہوا واں یہ حقیقت نہ کسی نے پائی نہ پھر آ کوئی مسافر نہ خبر کچھ آئی
منہ کو آتا ہے کلیجہ میرا کچھ بات کرو
اٹھو اب آخری اماں سے ملاقات کرو

---

[1] نیند کو ٹالنا - نیند کو دور کرنا -

پُرتاثیر بیان

دھوپ میں ملتے ہیں مسلم کے یتیموں کے بدن
ریت تربت ہی تو اس دشت کا دامانِ کفن
لٹ گیا حیدر و زہرا و محمد کا چمن
ہائے درپیش ہے تم کو بھی یہی رنج و محن
عوض غسل یہاں خاک میں تن ملتا ہے
قبر ملتی ہے کسی کو نہ کفن ملتا ہے

شدت غم سے جو ٹکڑے ہوا زینب کا جگر
گر پڑی خاک پہ لاشوں کی بلائیں لیکر
دونوں فرزندوں کے قدموں پہ کبھی رکھتی تھی سر
کبھی کہتی تھی مرے پیارو میں صدقے تم پر
کیسی جرأت سے لڑے واہ بڑا کام کیا
سرخرو آپ ہوئے اور میرا نام کیا

نمود صبح

جب کربلا میں نورِ سحر جلوہ گر ہوا
روشن مثالِ آئینہ ہر بام و در ہوا
بالیں پہ بادِ سرد سے ہر اک شجر ہوا
بے روپ آسمان پہ روئے قمر ہوا
تارے بھی جھلملا کے کہیں سے کہیں ہوئے
سجادہ نماز پہ حضرت[1] مکیں ہوئے

لطافتِ ادا

وہ نورِ صبح اور وہ گلدستہ علی[2]
جنگل بنا بہشت بریں جب ہوا چلی

---

[1] حضرت۔ حضرت امام حسین رضؓ مراد ہیں [2] گلدستہ علی سے اہل بیت و رفقائے امام حسین مراد ہیں۔

اک اک خدا پرست دلاور سخی ولی　　تھی جن کی پیاس سے گل زہرہ[۱] کو بیکلی

لب تشنہ باغ دہر سے جانے کو آئے تھے

وہ پھول کربلا کے بسانے کو آئے تھے

مرقع نگاری

دل کی طرح تھے قلب میں اُس فوج کے حسین　　چاروں طرف تھا جلوۂ خورشید[۲] مشرقین

تھے پہلوؤں میں قاسم و اکبر بزیب و زین　　اُنکے ادھر تھے دختر زہرا کے نور عین

تھا حامل علم بھی وغا پر تلا ہوا

چہرہ تھا سُرخ سبز پھریرا کھلا ہوا

حُسنِ استعارہ

حمک کے چمک کے دیکھتا تھا جو انکو چرخ پیر　　اک آفتاب تھا تو بہتر[۲] مہِ منیر

کہتی تھی ناز سے وہ زمینِ فلک سریر　　تیری بساط میں کوئی انکا بھی ہے نظیر

تو آج خاک ہوگیا میں چاند ہوگئی

تیری ستارہ[۳] دار قبا ماند ہوگئی

کم سن وہ سات آٹھ جو لڑکے تھے سرفروش　　شملے بھی تھے چھٹے ہوئے گیسو بھی تا بدوش

چہرے تھے سب کے سُرخ شجاعت کا تھا یہ جوش　　بخشے تھے کیا خدا نے انہیں بچپنے میں ہوش

سارے جواں تو شہ کے برادر کے ساتھ تھے

بہ نیمچے لئے علی اکبر کے ساتھ تھے

---

۱ گل زہرا سے حضرت امام حسین مراد ہیں　۲ حضرت امام حسین کو آفتاب اور آپ کے ساتھیوں کو مہ منیر کہا گیا ہے۔　۳ ستارہ دار قبا - آسمان کی تاروں بھری سطح۔

کہتے تھے ہاتھ جوڑ کر اکبر سے یار یار
جو حکم ہو حضور کا ہم سب ہیں جاں نثار
بودے ہیں کیا لڑینگے بھلا یہ ستم شعار
کھل جائیگا چلیں گے جب ان نیمچوں کے وار
کب دیکھیے حضور سے اذنِ وغا ملے
کیا خوش نصیب ہے جسے پہلے رضا ملے

کہتے تھے مسکرا کے یہ شبیر نیک خو
عباس تم بھی سنتے ہو بچوں کی گفتگو
تکتے ہیں کس غضب سے سوئے فوجِ کینہ جو
کوئی ٹھہر سکے گا بھلا ان کے روبرو
کرتے تھے عرض وہ کہ جری ہیں دلیر ہیں
کیا ذکر ان کے عزم کا شیروں کے شیر ہیں[1]

چھوٹے ہیں سب ہیں آپکی ہمشیر کے پسر
پر کیا جلال و رعب و تہوّر ہے کیا جگر[2]
کہتے ہیں سب سے چھوٹی سی تیغوں کو تول کر
پھر ہم جری نہیں نہ الٹ دیں صفیں[3] اگر
نکلینگے ہم جو ہاتھ میں شمشیر تول کے
رکھدینگے سب غنیم کی فوجوں کو رول کے

رنگینی بیاں

یہ ذکر تھا ابھی کہ ہوئی بارش خدنگ
نکلے رفیق[4] شاہ رضا لیکے بہر جنگ
اک اک لڑا کہ شام کی فوجیں ہوئیں تنگ
صحرا لہو سے ہو گیا دم بھر میں لالہ رنگ
لاشے تھے سب کے آلِ پیمبر کے سامنے
پھولا تھا باغ خیمۂ اطہر کے سامنے

۱؎ شیروں کے شیر۔ بہادر باپ کے بہادر بیٹے ۲؎ "کیا جگر ہے" کیا حوصلہ ہے۔ ۳؎ صفیں الٹنا" صفوں کو درہم برہم کرنا ۴؎ رفیق شاہ۔ رفقائے حضرت امام حسین۔

پھر لکھتے ہیں کہ ؎

جب نونہالِ گلشنِ مسلم قلم ہوئے
دو شبیر اور فوجِ حسینی میں کم ہوئے

اس کے بعد

شوقِ شہادت

عباس چاہتے تھے کہ جائیں وغا کو ہم
اکبر کھڑے تھے مرنے کی کھائے ہوئے قسم[1]
قاسم یہ کہہ رہے تھے کہ اب زندگی ہے سم[2]
زینبؑ کے لال ماموں کو تکتے تھے دمبدم
حضرت کسی کے باب میں کچھ کہہ نہ سکتے تھے
واں شوقِ جنگ تھا ادھر آنسو ٹپکتے تھے

واقعہ نگاری

حسرت سے دیکھتے تھے انہیں شاہِ تشنہ لب
فوجِ ابرِ شام ادھر تھی وغا طلب
اکبر سے بڑھ کے ابن حسن نے کہا یہ تب
ہو آپ کی صلاح تو ہم مرنے جائیں اب

مگر حضرات عون و محمد اس بات کی تاب کہاں لا سکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ سب سے پہلے اعزاز شہادت ہمیں نصیب ہو:۔

نزدیک تھے جو حضرتِ زینبؑ کے لالہ فام
گھبرائے جب یہ ابن حسن نے کئے کلام
سوچے کہ ہم سے پہلے جو قاسم ہوئے تمام
دیکھینگی منہ ہمارے نہ پھر خواہرِ امام
جو حکم ہے بجا اُسے لائیں تو خوب ہے
ہم اُن سے پہلے مرنے کو جائیں تو خوب ہے

---

[1] قسم کھانا۔ کسی کام پر تل جانا [2] زندگی سم ہونا۔ زندگی سے تنگ آجانا [3] مکدر ہونا۔ ناراض ہونا۔

معصومانہ استفسار

یہ سوچ کر وہ آئے قریبِ شہِ امم
ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے بچشمِ نم
کیوں ماموں جان آپ سے یہ پوچھتے ہیں ہم
اب کس کو بھیجئے گا سوئے لشکرِ ستم
شہ نے کہا قلق ہے دلِ نامراد کو
یہ قصد ہے کہ اب ہمیں جائیں جہاد کو

یہ سُنکے ماں کے پاس گئے دونوں مہ لقا
ڈر ڈر کے کانپ کانپ کے چپکے سے یہ کہا
ہم مانگتے ہیں دیر سے میدان کی رضا
دیتے نہیں مگر شہِ دیں رخصتِ وغا
بیوجہ خادموں سے مکدر[1] حضور ہیں
اماں خدا گواہ ہے ہم بے قصور ہیں

ماں کی سرزنش

بولیں یہ ان سے خواہرِ سلطانِ بحر و بر[2]
اب دھیان آیا مر گئے مسلم کے جب پسر
لاشے پہ لاشے آنے میں گذری ہے دوپہر
کیا کر رہے تھے صبح سے حیران ہوں تھے کدھر

طنزیہ

ان ہمتوں پہ تھی طلبِ رایتِ رسول
دانا نکالتے نہیں منہ سے سخن فضول
تم کو تو ضد تھی میں نے کیا اسکو نا قبول
اسوقت تک نشاں کہ نہ ملنے سے ہو ملول
ہاتھوں کے جوڑنے کو تو میں مانتی نہیں
میں کیا تمہارے غصوں کو پہچانتی نہیں

۱ مکدر ہونا۔ ناراض ہونا۔ ۲ خواہرِ سلطانِ بحر و بر۔ حضرت زینب
۳ رواج اٹھنا۔ کسی چیز کا دستور نہ رہنا۔

بپھرے تو رنج و غم میں ہیں ہوش و حواس گم ۔ ہے ذکر صبح کا ابھی بھولے نہ ہو گے تم
بھائی کو دے چکے جو نشاں قبلۂ امم ۔ بگڑے[۱] تھے تم علم کے لئے زاد شائکم
تا دیر ابروؤں سے نہ غصے میں بل گئے
برہم[۲] ہوئی جو میں تو سمجھ کر سنبھل گئے

دونوں صاحبزادے جواباً عرض کرتے ہیں :۔

غصہ نہ کیجئے تو کریں عرض یہ غلام
رخصت میں ہم تو صبح سے کرتے تھے اہتمام
اس وقت حضرت زینب نے بات کاٹ کر
فرمایا یہ کہو گے کہ مانع ہوئے امام

طعن آمیز پند

لو اب کھلا انہوں نے نہ جانے دیا انہیں ۔ رخصت کا حرف لب پہ نہ لانے دیا انہیں
حضرت نے میرے پاس نہ آنے دیا انہیں ۔ آئے ہیں اب یہ ہوش خدا نے دیا انہیں
بچے یہ میرے فہم و فراست سے دور ہیں
مطلب یہ بات کا ہے کہ ہم بے قصور ہیں
جا کر گرو حضور کے قدموں پہ میں نثار ۔ لیتے ہیں ہاتھ جوڑ کے رخصت وفا شعار
میرا گریں جو ذکر شہنشاہ نامدار ۔ کہنا کہ دے چکیں وہ ہمیں اذن کارزار
ذیقدر ہے جو وقت پہ مرنے کے کد کرے
ہمت جو تم کرو تو خدا بھی مدد کرے

[۱] بگڑے تھے ۔ ناراض ہوئے تھے ۔ [۲] برہم ہونا ۔ بگڑنا ۔

نکلے یہ سُنکے خیمہ سے باہر وہ گلبدن دیکھا کہ ہیں خموش شہنشاہِ بے وطن
مجرے کے بعد لائے زبانوں پہ یہ سخن قائم رہیں غلاموں کے سر پر شہِ زمن
آقا کا رحم و لطف زیادہ ہے باپ سے
ہم دونوں بھائی طالبِ رخصت ہیں آپ سے

بچوں کے منہ کو دیکھ کے بولے شہِ اُمم کیا دے چکی رضا تمہیں مادر اسیرِ غم
کی عرض اُن سے اذنِ دعا پاچکے ہیں ہم کہتی ہیں ہم غلاموں سے روکر یہ دمبدم
پالا تھا آجتک تمہیں بھائی کیواسطے
وہ دیں رضا تو جاؤ لڑائی کیواسطے

یہ سُنکے اُن کو لے گئے گھر میں امام دیں چپکی کھڑی تھیں در کے قریب زینبِ حزیں
بھائی کی بڑھ کے سر سے قدم تک بلائیں لیں شہ نے کہا بچھڑتے ہیں دونوں یہ مہ جبیں
فصل آئی خاندانِ علی کے زوال کی
تم نے بھی ان کو دیدی اجازت جدال کی

حضرتِ زینب جواب میں فرماتی ہیں۔

کہتے تھے مجھ سے رات کو یہ دونو گلعذار اماں سحر کو ہوگی لڑائی جو آشکار
آقا سے لیکے رن کی اجازت بہ انکسار پہلے ہمیں کو بھیجئے گا بہرِ کارزار
کیوں آج سب کے سامنے بے آبرو ہوں ہم
بہتر ہے سب سے پہلے اگر سرخرو ہوں ہم

۵۱ شہنشاہِ بے وطن۔ شہِ زمن سے حضرت امام مراد ہیں ۵۲ مجرا کرنا سلام۔ نیاز پیش کرنا۔
۵۳ وہ حضرت امام حسین مراد ہیں۔ ۵۴ بلائیں لینا۔ پیار و محبت کرنا۔

میں نے کہا تمہاری تو عمریں بہت ہیں کم
پانی ہوا نہیں تمہیں دو روز سے بہم
غصے میں کانپ کانپ کے بولے یہ ذی حشم
کیا مرتضےٰ علی کے نواسے نہیں ہیں ہم
طالب ہیں یہ تو رن کی رضا ان کو دیجیے
ہیں یہ تو خانہ زاد نہ غم ان کا کیجیے

گو سن میں کم ہیں قد بھی کچھ ایسے نہیں طویل
ہمت میں بے نظیر ہیں جرأت میں بے عدیل
اللہ بھوک پیاس میں بچوں کا ہے کفیل
چہرے جو سرخ ہیں یہ شجاعت کی ہے دلیل
پہلے پہل یہ جاتے ہیں تیغ آزمائی کو
حضرت بھی دیکھیں دور سے انکی لڑائی کو

باتیں یہ سنکے رونے لگے شاہِ تشنہ لب
زینب نے دونوں بیٹوں سے بڑھ کر کہا یہ تب
واری سدھارو دیر مناسب نہیں ہے اب
تسلیم آخری کرو اس دم بصد ادب
شہ کے قدم پہ جھک گئے زینب کے دلربا
کی عرض نتوں سے کہ اب دیجیے رضا

حضرت امام حسین اجازت مرحمت فرماتے ہیں

تسلیم کرکے بس ہوئے رخصت وہ لالہ فام
بچوں کے ساتھ ساتھ تھیں سید انیاں تمام
اٹھا حرم کے خیمے کا پردہ بہ احترام
نکلے عجیب شان سے وہ آسماں مقام
چہروں سے آفتاب کی ضو گرد ہوگئی
مقتل کی دھوپ گرم جو تھی سرد ہوگئی

تعریفِ حسن

شرمندہ ماہ و مہر ہیں اللہ رے نورِ حسن
عزّ و شرف ادب سے ہیں حاضر حضورِ حسن

چہروں کی ضو سے چار طرف ہے ظہورِ حسن — اسپر نہ ادعا ہے نہ کچھ ہے غرورِ حسن
چیں بر جبیں کھڑے ہیں وغا پر تلے ہوئے
دونوں کے نیمچوں کے ہیں ڈورے کھلے ہوئے

زور بیان

آئے جری بنے ہوئے اسپانِ تیز رو — وہ انکی کلغیوں کی چمک ہیکلوں کی ضو
سم ہیں جو آفتاب تو نعلِ اُن کے ماہِ نو — رفتار مثالِ ایک ہوا اور ایک برق دو
سائے ہیں ان کے دھوپ میں بیتاب اسطرح
آتش پہ ڈالدے کوئی سیماب جس طرح

الحمد پڑھ کے گھوڑوں پہ غازی ہوئے سوار — دی پیک نے اُدھر یہ خبر جاکے ایکبار
آتے ہیں دو ہزبر خبردار ہوشیار — رعب و نہیب و داب رخوں سے ہے آشکار
ثابت نہیں ہے کچھ یہ خلف کس ولی کے ہیں
ہمت پکارتی ہے نواسے علی کے ہیں

یہ ذکر تھا ابھی کہ یکایک دلیر آئے — ٹھنڈی ہوائیں گھوڑوں کی باگوں کو پھیر آئے
گو مسکرائے فوج ستم تک بدیر آئے — یوں آئے جس طرح صفِ آہو پہ شیر آئے
اُٹھا غریو فوجِ ضلالت شعار میں
چرچا ہوا وغا کا صفِ کارزار میں

رزمیہ

ڈنکا ہوا سپاہِ مخالف میں ناگہاں — نام آوروں نے کھول دیئے فوج کے نشاں
نے کی صدا زمیں سے گئی تا بہ آسماں — لشکر میں پڑ گیا وہ تلاطم کہ الاماں

۵ غریو اُٹھنا۔ شور ہونا۔ تلاطم ہونا

ترکش کے منہ کو صف میں کوئی کھولنے لگا
اوٹھا دہل کا شور کہ رن بولنے لگا

اور

بڑھ کر پکارتے تھے یساول یہ بار بار
میدان کو پروں سے بڑھو بہرِ کارزار
ہٹتے نہیں لڑائی سے مردانِ سرگذار
شیروں سے سامنا ہے ترائی سے ہوشیار
دونوں نواسے ہیں اسدِ نامدار کے
دریا کو چھین لیں گے یہ تلواریں مار کے

جوشِ شجاعت

پہنچے قریب فوج جو حیدر کے شیرِ نر
برچھے زمیں پہ گاڑ کے دیکھا ادھر اُدھر
تیغیں پکڑ کے لشکرِ اعدا پہ کی نظر
نعرہ کیا کہ او پسرِ سعدِ کینہ ور
ہم ہیں دلیر جان کے جانے کا غم نہیں
یا تو نہیں ہے جنگ میں یا آج ہم نہیں
جھپٹے ادھر تو غیظ میں اگر وہ رشکِ ماہ
بھاگا دبک کے خیمے کے اندر وہ روسیاہ
گرد آگئی مدد کو صفیں باندھ کر سپاہ
بولا کماں کشوں سے یہ تب شمرِ کینہ خواہ
اب اُن کو دم[۵۱] نہ لینے کی مہلت اک آن[۵۲] دو
نیزوں سے اُن لعینوں کے سینوں کو چھان دو
لشکر سے تیر آئے جو بچوں پہ بے شمار
کھینچے ادھر بھی تیغے دونوں نے ایکبار
ڈھالوں کو لے کے ہاتھوں میں شبیر نے استوار
حملے کئے جو فوج پہ چمکا کے راہوار

۵۱ دم لینا۔ آرام کرنا۔ ۵۲ آن بہ معنی ساعت۔

چھوڑا نہ تن پہ ایک کے سر کو ہزار میں

اوّل کی صف اخیر ہوئی پہلے وار میں

یوں دوسرے پرے پہ جھپٹ کر گئے بزیر جنگل میں جس طرح صفِ آہو پہ جا ببر

سچ ہے اجل کے مُنہ پہ ٹھہرنا[1] ہے سخت جبر ڈھالیں اُٹھیں کہ جھوم کے آتا ہی جیسے ابر

ڈر ڈر کے دور فوج کے اسوار ہٹ گئے

پیدل بھی پھینک پھینک کے ہتھیار ہٹ گئے

رزمیہ

سن سن چلے جو تیغے ہر تن سے سر گرا گھوڑے سے خاک پر کوئی بیداد گر گرا

یہ ہاتھ اُس طرف تو وہ بازو ادھر گرا دو ہو گئی سپر کہیں کٹ کر تبر گرا

راکب سموں کے پاس پڑے تھے مرے ہوئے

کوتل فرس کھڑے تھے لہو میں بھرے ہوئے

زور بیان

دونو کے نیمچوں کے ہیں قد ایک دم ہیں ایک کاٹ ایک گھاٹ ایک ہے منھ ایک خم ہیں ایک

جوہر ہیں آبرو ہیں برش میں بہم ہیں ایک چشمک ہی فرد فرد سے ہر دم کہ ہم ہیں ایک

راکب کی تیزیوں کا کسی سے بیاں نہ ہو

دوڑیں جو یہ زمین پہ سموں کا نشاں نہ ہو

رنگینی تخیل

نازک مزاج دلستان اندام وار جبند ڈھالے ہوئے ہیں نور[2] کے سانچے میں جوڑ بند

[1] منہ پر ٹھہرنا۔ مقابلہ کرنا۔ [2] نور کے سانچے میں ڈھلے ہوئے۔ بالکل سفید۔

فرفر نفس جو بھرتے ہیں اسپان سربلند کہتے ہیں ہوشمند کہ رفرف ہیں یہ سمند
آہو کہوں تو آہو میں یہ تیزیاں کہاں
صحرا کے جانوروں میں سبک تیزیاں کہاں

پھر کہتے ہیں
دونوں گئے جدھر کو صفیں توڑ توڑ کے سفاک رن سے ہٹ گئے منہ موڑ موڑ کے
ٹکڑے گئے سنان کے جو سر مڑوڑ کے بھاگے شریر طبل و علم چھوڑ چھوڑ کے
ڈر ڈر کے دور فوج کے اسوار ہٹ گئے
پیدل بھی پھینک پھینک کے ہتھیار ہٹ گئے

معرکہ آرائی
پلٹے جو نیزہ بازوں پہ باگوں کو موڑ کے پھینکے زمیں پہ شیروں نے برچھے مروڑ کے
پیدل کے صف پہ آئے جو اس صف کو توڑ کے نامرد گڑگڑانے لگے ہاتھ جوڑ کے
آنکھوں کے نیچے موت[1] کی تصویریں پھر گئیں
کانپے جو پاؤں ہاتھ سے شمشیریں گر گئیں

رزمیہ
شیرانہ جس پرے پہ گئے نعرہ مار کے سر سینکڑوں سواروں کے پھینکے اتار کے
تن سے گرائے ہاتھ کسی نابکار کے اور کاٹے بند بند کسی بد شعار کے
تیر افگنوں کے جنگ میں سر کٹ کے رہ گئے
ہاتھوں میں گرز زمیں میں تبر کٹ کے رہ گئے

[1] آنکھوں میں موت کی تصویر پھرنا۔ موت کی شکل سامنے آجانا۔

زخمی تھے زخمیوں کے برابر ہزارہا ریتی پر سر پڑے تھے سراسر ہزارہا
بکتر کہیں تھے اور کہیں مغفر ہزارہا نیزوں کے پر تھے اوج ہوا پر ہزارہا
بالا و پست لاشوں کے انبار کر دیئے
حملے تھے یہ فنتے کاٹ کے بیکار کر دیئے

میداں میں جب سے آئے تھے وہ دونو وہ گلعذار زینب کھڑی تھیں ڈیوڑھی پہ نالاں و بیقرار
فضہ سے اضطراب میں کہتی تھیں بار بار لوجا کے دیکھ آمرے بچوں کی کارزار
لڑتے ہوئے کدھر مرے نورِ نظر گئے
کیا جانے وہ ہیں کہ جہاں[1] سے گزر گئے

اس کے بعد یہ لکھتے ہیں کہ

نکلی جو گھر سے خادمہ آلِ[2] مصطفا دیکھا بالغور دور سے اُس نے یہ ماجرا
لڑتے ہیں فوجِ ظلم سے دونو وہ مہ لقا[3] چھائی ہوئی ہے شام کے لشکر کی اک گھٹا
تیغوں کی بجلیاں ہیں بڑی دار و گیر ہے
ابر ستم ہے بارشِ بارانِ تیر ہے

تھامے عصا کو دیکھتی تھی وہ نکو سیر جو پڑ گئی محمد ذیجاہ کی نظر[4]
گھبرا کے یہ بڑے کو پکارے بچشم تر فضہ کھڑی ہیں دیر سے جلد آئیے ادھر

دونوں بھائی گھوڑوں سے اتر کر فضہ کے پاس پہنچتے ہیں اور اُس سے اپنی والدہ محترمہ (یعنی حضرت زینب) کی خیریت دریافت فرماتے ہیں۔ اسوقت

---

[1] جہاں سے گذرنا۔ مرجانا۔ [2] خادمہ آلِ مصطفےٰ۔ فضہ مراد ہیں۔ [3] مہ لقا۔ حضرت عون و محمد [4] نظر پڑنا دکھائی دینا۔ نظر آجانا۔

نفسہ حضرت زینب کا پیغام لفظ بہ لفظ دونوں صاحبزادوں تک پہنچاتی ہے۔

اوروں سے بے حصول تو کہتے رہو دغا — مردود[1] کو نہ جان سے مارا یہ کیا کیا
وعدہ بھی اپنا بھول گئے تم پہ ماں فدا — جو کہہ سے کہ گئے تھے اُسے بھی بھلا دیا
اللہ تم کو لشکرِ اعدا پہ دے ظفر
ابتک نہ لائے تم بن سعد لعیں کا سر

نفسہ پیام دیکھے پھری واں سے اشکبار — گھوڑوں پہ یاں پلٹ گے وہ صفدر ہوئے سوار
آواز دی یہ شمر کو دونوں نے ایک بار — بتلا کہاں چھپا ہے بن سعد نابکار
پلٹینگے بارگاہ کو لاشوں سے پاٹ کے
ہم پھینکینگے خیمے کو تیغوں سے کاٹ کے

یہ کہہ کے مرکبوں کو اڑایا بکر و فر — بڑھ کے سے فوج کے کہیں رکتے ہیں شیر نر
جا کر کسی نے دی یہ بن سعد کو خبر — خیمے کی سمت آتے ہیں دونو وہ پُر جگر
گھوڑوں کو اس روش میں اڑاتے ہیں غیظ میں
جیسے اسد شکار پہ جاتے ہیں غیظ میں

گھبرا گیا یہ سُنکے خبر وہ زبوں خصال — دو پہلوان عقب میں کھڑے تھے مثالِ زال[2]
بولا یہ اُن سے مڑ کے وہ بدکار و بد مآل — آتے ہیں لڑتے حیدر و جعفر کے نونہال
ڈر ہے کہ جنگ میں کہیں میرا ضرر نہو
یوں مار لو انہیں کہ کسی کو خبر نہو

[1] مردود ابن سعد مراد ہے [2] زال - رستم کے باپ کا نام ہے

پُر شکوہ اندازِ بیاں

نکلے سلاحِ حرب لگائے وہ خود پسند — عفریت سے بھی تھے قد و قامت میں کچھ بلند
تھے سب درشت و چست گراں تن کجے جوڑ بند — شانوں پہ ڈھالیں ڈھالوں پہ تھے حلقۂ کمند
آنکھیں کبود ابروؤں پر بل پڑے ہوئے
مانند دیو در کے قریب آ کھڑے ہوئے

پہنچے جو غیظ میں یہ غضنفر قریب تر — نعرے کیے کہ سینوں میں ہل ہل گئے جگر
تیور بدل بدل کے پکارے وہ بد سیر — ٹھہرے رہو وہیں نہ اب آنا قریب تر
انسان کیا فرشتے کا یاں تک گذر نہیں
خیمہ یہ میر فوج کا ہے کیا خبر نہیں
تلواریں تول کر یہ پکارے وہ خوشخصال — روکو گے تم ہمیں یہ تمہاری نہیں مجال
رستم سا پہلواں ہو تو ہم جانتے ہیں زال[1] — شیروں کے شیر ہیں اسد کبریا کے لال[2]
اُس کو پیام مرگ[3] کا دینے کو آئے ہیں
ہم سر امیر شام کا لینے کو آئے ہیں
اور جب قریب آ گئے تیغیں سنبھال کے — بچوں کو دیکھا دونوں نے آنکھیں نکال کے[4]
برچھے لئے جو گھوڑوں کو کاوے[5] پہ ڈال کے — دی موت نے صدا کہ ذرا دیکھ بھال کے

---

[1] "زال"۔ بوڑھی عورت۔ [2] "اسد کبریا کے لال"۔ حضرت عون و محمد مراد ہیں۔
[3] پیام مرگ دینا۔ تہ تیغ کرنا۔ جان سے ہلاک کرنا۔ [4] "آنکھیں نکال کے دیکھنا" غصے سے دیکھنا [5] کاوے پہ ڈالنا۔ دوڑانا۔

نیزوں کے بند کھول لیں گے وہ ذی ہنر ہیں یہ
کھلجائیگا کہ عقدہ کشا[1] کے پسر ہیں یہ

باندھے جو بند نیزوں کے دونوں نے تین چار
تازی بڑھا یا اس نے بھی شیروں نے ایک بار

اللہ رے ہوش بچوں کے ہنگام کارزار
وار اُن کے روک کر جو کیئے پنجوں کے وار

تولا[2] جو عقل میں تو زیادہ نہ کم ہوئے
کیا ہاتھ تھا کہ بیچ سے نیزے قلم ہوئے

شاعر دونو بھائیوں کی جرأت و بہادری سے متاثر و متکیف ہو کر کہتا ہے

ساقی نامہ

ہاں ساقیا پلا دے لئے مشک بو مجھے
اک عمر سے ہے بادہ پرستی کی خو مجھے

وہ مست ہوں کہ اب نہیں کچھ آرزو مجھے
میخانۂ نجف[3] کی ہے ہاں جستجو مجھے

ساقی ملا کے تیغ کا پانی شراب لا
وقت وغا ہے ساغر آئینہ تاب لا

مرقع نگاری

بائیں طرف وہ لاتے تھے جب چھیڑ کر سمند
مڑتے تھے دہنی سمت کو دونوں یہ ارجمند

آتے تھے زد[4] پہ سامنے جب وہ جفا پسند
جاتے تھے اُڑ کے بال سی بھی اسپان سر بلند

---

[1] "عقدہ کشا" حضرت علی مراد ہیں [2] "تولا" جانچا۔ [3] "میخانۂ نجف" کربلائے معلے۔
[4] "زد پہ آنا" منہ کے سامنے آنا۔

چوٹیں جو چل رہی تھیں ذرا فرق وہیں سے
ڈھالوں پہ وار رک رہے تھے جانبین سے

آئے ادھر یہ سن سے وہ زن سے نکل گئے
وہ دب گئے یہ تول کے تیغیں سنبھل گئے

گھوڑے اٹھا کے جیت گئے یہ برمحل گئے
ظالم جہاں پہ تھم گئے سو وار چل گئے

پڑتیں تھیں انکے ہاتھ کی چوٹیں جو بار بار
غصے میں آکے اور جھپٹتے تھے نابکار

اس کے بعد

بچوں کے ہاتھ دہنے پہ جا کر جو پھر پڑے
سر دونو کٹ کے خیمے کی ڈیوڑھی پہ گر پڑے

جب ابن سعد نے دیکھا کہ دونوں بھائی کامیاب ہو گئے۔ اور

سوچا کہ اب یہ قتل کرینگے مجھے ضرور
بھاگا قنات خیمہ اٹھا کر وہ بے شعور

دونوں شیر بپھرے ہوئے خیمہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ابن سعد کہیں نظر نہیں آتا تو غصے میں تلواریں مار مار کے خیمے کے پرزے کر دیتے ہیں پھر باہر کا رخ کرتے ہیں۔

اور فوج پر جھپٹنے لگے مثل شیر نر
زخمی کیا کسیکو تو کاٹا کسی کا سر

وہ فوج کا ہجوم وہ لشکر کا شور و شر
آخر گھرے سپاہ میں دونوں وہ پر جگر

ضرب تبر سے مرکبوں پر ڈگمگا گئے[1]
بچے لہو میں سر سے قدم تک نہا گئے

[1] "ڈگمگانا" لڑکھڑانا۔

ہلہ[1] ہوا تمام ستمگروں کا ایک بار غل تھا کہ اب نکلنے نہ پائیں یہ نامدار
پیہم چلے جو تیر کمانوں سے دس ہزار پیکانِ ظلم ہو گئے سینوں کے وار پار
تیغے جو پہلوانوں کے شانوں پہ پھر پڑے
بچّے زمین پہ گھوڑوں سے تیورا کر گر پڑے

حضرت کھڑے تھے خیمے کے در پہ بچشمِ تر ناگاہ ڈور کر علی اکبر نے دی خبر
گھوڑوں سے گر پڑے ہیں پھوپھی جان کے پسر چلئے حضور کٹتے ہیں بچوں کے تن سے سر
زخمی ہیں اژدہام میں بیحال ہو نہ جائیں
ڈر ہے کہ لاشے بچّوں کے پامال ہو نہ جائیں

امام اس جگہ پہنچتے ہیں جہاں دونوں بھائی زخموں سے چور مدہوش پڑے ہیں۔

سر رکھ کے گود میں شہِ دیں نے بصد الم آواز دی تو ہوش میں آئے وہ ذی حشم
پوچھا جو حالِ زار تو بولے بدردِ غم لے چلئے ماں کے پاس ہمیں یا شہِ امم
خیمے میں لائے زخمیوں کو رن سے جب حسین
بے چین ہو گیا حرمِ شاہِ مشرقین

حضرت زینب کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ
بیٹوں کو زخمی دیکھ کے کیا ماں کو کل پڑے
نزدیک تھا کہ منہ سے کلیجہ نکل پڑے

اس کے بعد

[1] ہلہ ہونا۔ دھاوا ہونا۔

رکھکر سروں کو زانو پہ بولی وہ دلفگار بتلاؤ کیا دلوں پہ گذرتی ہے میں نثار
آہستہ عرض کرنے لگے تب وہ گلعذار ہیں برچھیوں کے زخم کلیجوں کے وار پار
یہ کہتے تھے کہ رک گئے آکر گلوں میں دم
آنکھیں پھرا کے لینے لگے ہچکیاں بہم

سینوں پہ منہ کو رکھ کے پکاری وہ سوگوار سوتے ہو کس ادا سے میں اس نیند کے نثار
واری ملینگے گھر تمہیں رہنے کو تنگ و تار واں ماں کو کس طرح سے پکاروگے میں نثار
جاتا ہے یوں جہاں سے کوئی آنکھ موڑ کے
دادی[1] کے گھر چلے گئے اماں کو چھوڑ کے

محاکات غم

پہلے پہل چھٹا ہے مکاں اے مسافرو نکلے ہو گھر سے تشنہ وہاں اے مسافرو
ڈھونڈھے گی کس پتے سے یہاں اے مسافرو شب کو مقام ہوگا کہاں اے مسافرو
بچو مسافرت میں دغا دے گئے مجھے
منزل کا آج کی نہ پتا دے گئے مجھے

تاثیر بیاں

اس راہ میں کسی کا کوئی آشنا نہیں کوسوں سوائے گور غریباں سرا نہیں
جادے کا ذکر کیا کہ صدائے درا نہیں سایہ نہیں درخت نہیں نقش پا نہیں
ٹھہرے نہ دوسرا بھی اگر ایک راہ سے
منزل کڑی ہے بھائی کی بھائی پناہ لے

---

[1] دادی سے حضرت زہرا فاطمہ مراد ہیں۔

محاکات غم

شانہ بڑے پسر کا ہلا کر کہی یہ بات
واری غضب ہے منزلِ اول کی پہلی رات
ہوتا نہیں شفیق کوئی جز خدا کی ذات
بچے پہ میرے رکھیو ذرا چشمِ التفات
ماں صدقے تم بزرگ ہو اسکے یہ خرد ہے
جنگل میں چھوٹا بھائی تمہارے سپرد ہے

مرثیہ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے۔

جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی
پردیس میں سادات پہ آفت عجب آئی
سادات کو کیا کیا غمِ جانکاہ دکھائے
رات ایسی مصیبت کی نہ اللہ دکھائے

صحرا کی رات اور آندھی

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہ والا
آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا نہ وبالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اجالا
خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اڑتی تھی منہ پر حرم شیرِ خدا کے
تھا چین بچھیں فرش بھی جھوکوں سے ہوا کے

محاکاتِ شب صحرا

جنگل کی ہوا اور درندوں کی صدائیں
تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں
دھڑکا تھا کہ دہشت سے نکل جائیں کہیں جانیں
روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے
جب گونجتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

مرقعِ غم

تھی سب سے سوا بنتِ علی مضطر و بیتاب
فق ہو گیا تھا شام سے منہ صورتِ مہتاب
مژگاں سے رُخِ پاک پہ تھی بارشِ خوناب
تلوار کلیجہ پہ چلے جب تو کہاں تاب

اک کرب تھا بسمل کی طرح جانِ حزیں پر
اٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

مرقع نگاری

تھے دوسرے خیمہ میں ادھر سبطِ پیمبر
دربار میں حاضر تھے رفیقانِ دلاور
اک پہلو میں قاسم تھے اور اک پہلو میں اکبر
اکبر کے ادھر لختِ دلِ زینبِ مضطر

شبیر محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباس علی سامنے بیٹھے تھے ادب سے

عبرت پذیری و ذوقِ عبادت

یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی
اے چاند ید اللہ کے شب ٹ دوپہر آئی
حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی
دل یادِ خدا کرنے لگا چشم بھر آئی

فرمایا بڑا اجر ہے بیداریِ شب کا
اے تشنہ لبو وقت ہے یہ طاعتِ رب کا

تعلیم صبر و شکر

اب عمر بھی آخر ہے نمازیں بھی ہیں آخر
بے توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مسافر
ہر وقت ہے ربِّ دوجہاں حاضر و ناظر
اجر ان کا مضاعف ہے جو ہیں صابر و شاکر

ٹ یعنی نصف شب۔

مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلا کو
بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

استقامت علی الدین

نام اس کا رہے ورد سفر ہو کہ حضر ہو
موجود سمجھ لے اُسے جنگل ہو کہ گھر ہو
سجدے ہی کرے دکھ میں کہ راحت میں بسر ہو
تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں سحر ہو
عشق گل تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
معشوق کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھولے

درس ضبط وفا

چومے لب سوفار جو سینے پہ لگیں تیر
دم عشق کا بھرتا ہے زبر دم شمشیر
زخموں کو یہ سمجھے کہ لٹا گلشن توقیر
تکبیر کا نعرہ ہو زباں پہ دم تکبیر
کٹتے ہیں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے
ہر رنگ میں بو الفتِ اللہ کی نکلے

اثر پذیری

شہ نے سخن معرفت حق جو سنائے
اشک آنکھوں میں ہر عاشق صادق کے بھر آئے
کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے
سجادے وہیں لا کے دلبروں نے بچھائے
تکبیریں ہوئیں لشکر اللہ دینی میں
سب محو ہوئے یاد جناب احدی میں

عباد ت شب سے فارغ ہو کر حضرت امام کے گوش مبارک میں گریہ کی آواز آتی ہے۔ دریافت کرنے پر حضرت علی اکبر بیان کرتے ہیں کہ پھوپھی جب سے بیدار

ہوئی ہیں۔ برابر یہی حال ہے۔

بہن کا جذبۂ محبت

روکر علی اکبر نے جو کی شہ سے یہ تقریر
پڑھتے ہوئے تسبیح گئے حضرت شبیر
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر
قدموں پہ محبت سے گری دوڑ کے ہمشیر

دم تن سے مرا گھٹ کے نکل جائیگا زینب
رو لیجئو جب رونے کا وقت آئیگا زینب

جناب امام حضرت زینب کو سمجھاتے ہیں آپ کمالِ پریشانی میں یہ کہتی ہیں۔

وسواس طبیعت کو سنبھلنے نہیں دیتا

ارشاد کیا کہ :۔

جذبات

آتا ہے سکینہ کی یتیمی کا مجھے دھیان
ہر وقت بھرا گھر نظر آجاتا ہے ویران
سمجھانے سے کچھ دل جو بہلتا ہے میں قربان
پھر جاتا آنکھوں کے تلے موت کا سامان

بازو مرے کسنے کو رسن لاتا ہے کوئی
سر پر سے ردا کھینچے لئے جاتا ہے کوئی

حضرتِ امام کلماتِ تسکین سے بہن کی دلجوئی فرماتے ہیں۔

طلوعِ سحر

یہ کہتے تھے حضرت کہ صدا آئی اذاں کی
گلدستۂ اسلام پہ بلبل نے فغاں کی
اک دم میں بہار اور ہوئی باغ جہاں کی
تلوار چلی گلشنِ انجم پہ خزاں کی

مہتاب ہوا گم فلکِ نیلوفری سے

پھولا گل خورشید نسیم سحری سے
صبح صحرا اور موسم گرما

گرمی کی سحر اور وہ پھولوں کا مہکنا مرغانِ چمن کا وہ درختوں پہ چہکنا
انجم کا وہ چھپنا کبھی اور گاہ چمکنا وہ سرد ہوا اور وہ سبزے کا لہکنا
اُس دشت میں روتی تھی جو شبنم شہِ دیں پر
تھا موتیوں کا فرش زمرد کی زمیں پر

حضرت امام فریضہ سحری ادا کرتے ہیں ۔ مرثیہ نگار کو نماز با جماعت کے سلسلۂ بیان میں رفقائے امام کے جذبات ایثار و خلوص محبت وفا کا خیال آجاتا ہے۔ اس موقع پر کس قدر نازک شاعرانہ تشبیہ و توجیہ سے کام لیتا ہے۔

کس طرح شہنشاہ سے وہ فوج جدا ہو
مشکل ہے کہ دریا سے کہیں موج جدا ہو

اس خاص وقت میں جو کیفیت بندگانِ مقبول کے اثرِ نفس سے پیدا ہوگئی تھی شاعر اس کے بیان کرنے سے عاجز ہے۔ مجبوراً ایک نیا پیرایہ بیان اختیار کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اُس دم تھی یہ آواز پسِ پردۂ قدرت اے قدسیو دیکھو مرے بندوں کی عبادت
نے پیاس کا شکوہ ہے نہ فاقوں کی شکایت یہ زہد یہ تقویٰ یہ اطاعت یہ ریاضت
کونین میں یہ صاحب اقبال و شرف ہیں
عالم ہوں کہ ان لوگوں کے دل میری طرف ہیں

حضرت عباس رفقائے امام کو طیاری جنگ کا حکم دیتے ہیں سید الشہداء

جناب امام حسین رخصت ہونے کے لئے زنانہ خیمہ میں تشریف رکھتے ہیں
اس موقعہ پر شاعر نے الفاظ کے ذریعہ سے مصوری کے کمالات اس طرح دکھائے ہیں

مرقع نگاری

تھے گرد حرم بیچ میں وہ عاشق حق تھا ۔ مانند سحر رنگ ہر اک بی بی کا فق تھا
بانوئے دو عالم کا جگر سینے میں شق تھا ۔ زینب یہ تڑپتی تھی کہ حضرت کو قلق تھا
شبیر کے پہلو سے نہ ہٹتی تھی سکینہ
بڑھتے ہیں تو دامن سے لپٹتی تھی سکینہ

حضرت سکینہ کو جناب امام کے اشارات اور بیبیوں کی گفتگو سے یقین ہو گیا ہے۔ کہ حضرت میدان جنگ میں جا رہے ہیں۔ اس لئے کسی طرح جدا نہیں ہوتیں۔ اور نہایت پر درد انداز سے برابر اصرار کئے چلی جاتی ہیں۔ کہ یا تو آپ نہ جائیں یا مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔

محبت پدری

نادان کی ان باتوں پہ گھر روتا تھا سارا ۔ ماتم میں کسی دل کو نہ تھا صبر کا یارا
حضرت کو بھی بیٹی کی نہ فرقت تھی گوارا ۔ ڈیوڑی تک اُسے گود سے اپنی نہ اُتارا
جس دم وہ چھٹی جیتے ہی جی مر گئے شبیر
کس درد سے روتے ہوئے باہر گئے شبیر

حضرت امام باہر تشریف لاتے ہیں۔ اعیان و انصار آپس میں گفتگو کرتے ہیں کہ دیکھیے علمبرداری کی خدمت کس کو مرحمت ہوتی ہے پھر حضرت عباس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اک عشق ہے اس شبیر سے سلطانِ اُمم کو
بھائی کو کبھی دیکھتے ہیں گاہ عَلم کو

ایک جانب حضرت زینب کے دونوں لختِ جگر معصومانہ شان سے امیدوار نظر آتے ہیں۔ چھوٹا بھائی اپنے خاندانی حقوق کا ذکر بڑی شد و مد سے کرتے ہوئے کہتا ہے :-

واقعہ نگاری

دادا بھی علمدار رہے نانا بھی علمدار ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
کہتا تھا بڑا اعرض کا موقع نہیں زنہار ہیں بادشہِ کون و مکان مالک و مختار
عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
چپکے رہو اماں نہ کہیں تُم سے خفا ہوں

حضرت زینب پسِ پردہ اپنے بچوں کی گفتگو سُن رہی ہیں۔ فضہ سے ارشاد ہوتا ہے۔ ؎

دونوں کو اشارے سے بلا لے کسی تدبیر

لیکن جنابِ امام کا پاس ادب اس درجہ ہے کہ مزید احتیاط کی بنا پر تاکید کرتی ہیں

عباس نہ دیکھیں نہ شہِ دیں کو خبر ہو

یہ کہتی تھی زینب کہ خود آئے وہ نکوکار چھوٹے سے یہ فرمانے لگیں زینب ناچار
کیا باتیں ابھی بھائی سے تھیں اے مرے دلدار اس وقت ہیں ہو کس لئے منصب کے طلبگار
سمجھے کہ نہ مادر عقبِ خیمہ کھڑی ہے
گھر لٹتا ہے بیرا تمہیں منصب کی پڑی ہے

اندازِ بیان

اللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار
بچو تمہیں ایسا نہ سمجھتی تھی میں زنہار
دیکھو ابھی تم دونوں سے ہو جاؤنگی بیزار
کچھ کہئے نہ ماموں سے خبردار خبردار

کیا دخل تمہیں امر میں سلطانِ امم کے
دیکھونگی نہ پھر منہ جو گئے پاس علم کے

کچھ اور ہی تیور ہیں علم نکلا ہے جب سے
تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو سب سے
استادہ ہو جا کر عقبِ شاہ ادب سے
عہدہ ہے یہ جس کا مجھے معلوم ہو شب سے

ہر گز نہ ابھی کچھ شہِ ذی جاہ سے کہنا
کہنا بھی تو رخصت کے لئے شاہ سے کہنا

پھر ارشاد کیا کہ اگرچہ تمہارے حقوق مسلّم ہیں۔ لیکن (حضرت عباس کیطرف اشارہ کر کے)

چھوٹا مرا بھائی بھی ہے بیٹوں کے برابر

اور

بگڑوں گی گلہ گر کسی اسلوب کرو گے
عباس سے کیا تم مجھے محجوب کرو گے

حضرت زینب کی عتابانہ گفتگو پر بچے یہ کہتے ہوئے

رخصت کے لئے تیغ و سپر باندھے ہوئے ہیں
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہیں

قدموں پہ گر پڑتے ہیں۔ حضرت زینب کو جو محبت اپنے بھائی جناب امام حسین علیہ السلام سے تھی۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اس کی عملی نظیر شاید ہی کہیں سے مل سکے اس محبّت و ایثار کیسا تھ یہ ضبط و صبر بھی اپنی آپ مثال ہے۔

چنانچہ ؎

زینب نے کہا لپکے بلائیں کہ سدھارو
بس اب مرا دل شاد ہوا اے مرے پیارو

ماں صدقے گئی سر قدم شاہ پہ وارو
ہو عید مجھے گر عمر و شمر کو مارو

یہ وقت ہے امداد امام ازلی کا
دیکھوں چھوٹے سے ہاتھوں میں خدا زور علی کا

بہن کا جذبۂ ایثار

صدقے گئی سن لو کہ میں کہتی ہوں مکرر
تم پہلے فدا کیجیو سر شہ کے قدم پر

میدان میں زخمی ہوئے گر قاسم و اکبر
پھر تم مرے فرزند نہ میں دونوں کی مادر

جب دل ہوا ناراض تو فرزند کہاں کے
کس کام کے وہ لال جو کام آئے نہ ماں کے

بچوں کے جذبات شجاعت کو اس طرح برانگیختہ کرتی ہیں ۔

ہمت افزائی

اعدا کو مرے دودھ کی تاثیر دکھاؤ
اجلال حسن شوکت شبیرؑ دکھاؤ

جعفر کی طرح جوہر شمشیر دکھاؤ
تن تن کے ید اللہ کی تصویر دکھاؤ

خورشید امامت سے قرابت میں قریں ہو
تم شیر ہو شیروں کے حسینوں کے حسیں ہو

ہمت افزائی

جعفر سے نمودار کے دلبر ہو دلیرو
حیدر سے دلاور کے دلاور ہو دلیرو

جرار ہو کرار ہو صفدر ہو دلیرو
ضرغام ہو ضیغم ہو غضنفر ہو دلیرو

تیروں سے جوانوں کے جگر توڑ کے آؤ
خیبر کی طرح کوفے کا در توڑ کے آؤ

بچے ماں سے رخصت ہو کر حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں لشکرِ حسینی صف بستہ ہے۔ اس وقت:۔

واقعہ نگاری

شہ بولے کہ عباس دلاور کو بلاؤ   پیارے مرے محبوب برادر کو بلاؤ
عاشق کو مددگار کو یاور کو بلاؤ   جلدی مرے حمزہ مرے جعفر کو بلاؤ
یہ اوج یہ رتبہ یہ حشم اس کے لئے ہے
زیب اس سے علم کی ہے علم اسکے لئے ہے

حضرتِ امام خدمت علمبرداری جناب عباس کو مرحمت فرماتے ہیں۔ حضرتِ عباس اظہارِ تشکر کے طور پر عرض کرتے ہیں۔

ادنیٰ جو ابھی تھا اُسے اعلیٰ کیا مولا
قطرے کو ترے فیض نے دریا کیا مولا

حضرت نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے   حاضر ہے اگر جان بھی کام آئے تمہارے
حصہ یہ تمہارا تھا سو پہنچا تمہیں پیارے   مالک ہو تمہیں ہم تو ہیں اب گور کنارے
تھا دل میں جو کچھ وہ بخدا ہو نہیں سکتا
بھائی تیرا حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا

استعارات و تشبیہات

یہ کہہ کے بڑھے سرورِ دیں جانب توسن   ہتھیار لگائے ہوئے پہنے ہوئے جوشن

اسوار ہوئے آپ جو گردان کے دامن اللہ رے ضیا خانۂ زیں ہو گیا روشن

وہ پانوؤں رکابوں کے لئے باعثِ ضو تھے

خورشید کے قدموں کے تلے دو مہ نو تھے

مبالغہ شاعرانہ

رانوں کے اشارہ سے لگا کوندنے شبدیز اسوار کے دل کا تھا اشارہ اسے مہمیز

گرما کے جو شبیر نے تازی کو کیا تیز اعدا پہ چلا غول سواروں کا جلو ریز

ایک ایک جوان عربی رشکِ ملک تھا

اللہ کے لشکر کا علم سربفلک[1] تھا

بچوں کا شوقِ جنگ

کمسن لڑکوں کا جدا غول تھا سب سے سوئے بھی نہ تھے ولولۂ جنگ میں شب سے

روکے ہوئے باگوں کو شہِ دیں کے ادب سے اعدا کی طرف دیکھتے تھے چشمِ غضب سے

ہتھیار جو باندھے تھے تو کیا تن پہ کھلے تھے

سب تیغے تولے ہوئے مرنے پہ تلے تھے

لطافتِ ادا

وہ چاند سے منہ اور وہ گورے بدن ان کے شرمندہ ہوں غنچے بھی وہ نازک دہن ان کے

یوسف کی طرح عطر فشاں پیرہن ان کے مرکر وہی کپڑے ہوئے آخر کفن ان کے

کیا سن عقیدت تھا عجب دل کے جواں تھے

آقا پہ فدا ہونے کو سب ایک زباں تھے

---

[1] سربفلک ۔ بہت اونچا ۔

رنگینی بیاں

عمریں تو کم و بیش پہ سب گیسوؤں والے اک غول میں تھے چاند کئی اور کئی ہالے
ذی مرتبہ سیدانیوں کے گود کے پالے غنچے تھے وہ سب اکبرِ گلرو کے حوالے
ان تازہ نہالوں میں نمودار یہی تھے
اس گلشن یکرنگ کے مختار یہی تھے

زورِ بیاں

مقتل کو جو پرنور کیا عسکرِ دیں نے دیکھا طرف چرخ حقارت سے زمیں نے
اونچا نہ کیا سر فلکِ ماہ جبیں نے کی فرش پہ حسرت سے نظر عرشِ بریں نے
اُٹھ اُٹھ کے چمک اپنی دکھانے لگے ذرّے
خورشید کے پہلو کو دبانے لگے ذرّے

حضرت علی اکبر جوانانِ حسینی کو ترتیب دیتے ہیں۔ اس موقع پر مرثیہ نگار نے خوب کہا ہے۔

اللہ رے شوکتِ شرفاؤ نجبا کی اسلام کا لشکر تھا کہ قدرت تھی خدا کی

فوجِ مخالف پیشقدمی کرتی ہے۔

رزمیہ

ناگاہ بجا طبل بڑھا لشکرِ سفّاک تا چرخ گیا غلغلۂ کوسِ شغب ناک
فریاد سے قرنا کی ہلا گنبدِ افلاک تھرا گیا آوازِ دہل سے کرۂ خاک
نوبت تھی زبس قتلِ امامِ مدنی کی
صاف آتی تھی تاشوں سے صدا سینہ زنی کی

اسی حالت میں

ناگاہ سوئے فوج خدا آنے لگے تیر عباس علمدار نے دیکھا رُخِ شبیر

شوق شہادت کا یہ حال تھا - کہ جوانانِ حسینی ایک دوسرے پر جان نثار کرنے کے لئے سبقت کر رہے تھے - مرثیہ نگار نے خوب کہا ہے -

دین پہ پہلے ہم ایک ایک سے جاں اسکی بڑی تھی

حضرت امام سے رفقا اذنِ جنگ طلب کرتے ہیں - آپ یہ فرما کر انکار کرنا چاہتے ہیں - "بہتر ہے اگر پہلے کٹے تن سے مرا سر" - مگر وہ زیادہ اصرار کرتے ہیں آخر کار یہ کہکر -

اس جنگ کو بھی لوگ بہت یاد کرینگے

اجازت مرحمت فرماتے ہیں -

معرکہ آرائی

جس دم یہ سنی قبلہ کونین کی گفتار جانباز بڑھے فوج سے چلنے لگی تلوار
تھے پیاسوں کے حملے غضب حضرت تیار چوٹی کے جواں بھاگ گئے پھینک گئے تلوار

کون آنکھ ملا سکتا تھا شیروں سے عرب کے
جب کرتے تھے نعرے قدم اٹھ جاتے تھے سب کے

شوقِ جنگ

لشکر میں تلاطم تھا غضب چلتی تھی تلوار بیتاب تھے یاں زینب ناشاد کے دلدار
منہ دیکھ کے حضرت کا یہی کہتے تھے ہر بار ہم جائینگے میدان کے سوئے لشکر اشرار

ے یہاں کی جگہ یاں ستر دلا ہے -

جی جائیں جو مولا ہمیں مرنے کی رضا دیں
ایسا نہ ہو قاسم کو حضور اذن وغا دیں

حضرتِ مسلم کے فرزند شہید ہونے پر حضرت زینب کے دلبند اجازت وغا چاہتے ہیں۔

شہ نے کہا یہ داغ تو دشوار ہے ہم پر
اُن دونوں نے سر رکھ دئیے ماموں کے قدم پر

حضرت نے کہا ماں سے بھی ہو آئے ہو رخصت — کیا کہتے ہو لٹوا دوں میں ہمشیر کی دولت
مایہ ہو تمہیں اس کی تمہیں اسکی رضاعت — چھوٹے نے یہ حضرت سے کہا تھام کے رقت

چھوٹے نہیں ہم آپ ابھی پوچھ لیں سب سے
اماں تو رضا دے چکی ہیں مرنے کی شب سے

بچوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر — ان دونوں کا منہ دیکھ کے رونے لگے شبیر
فرمایا چھڑاتا ہے تمہیں بھی فلک پیر — اچھا میں رضا مند ہوں جو مرضی ہمشیر

وہ سیدۂ پاک نواسی ہے نبی کی
فیاض کی ہمشیر ہے بیٹی ہے سخی کی

محاکات

یہ سُن کے جھکے آخری تسلیم کو ذیجاہ — خورشید کے آگے مہِ نوین گئے دو ماہ
کی سجدے فلک دیکھکے شبیر نے اک آہ — وہ شیر چلے گھوڑوں پہ چڑھکر سوئے جنگاہ

ماں ڈیوڑھی سے چلائی کہ رخصت ہو مبارک
سرکارِ شہنشاہ سے خلعت ہو مبارک

پھر دعائیں دیتے ہوئے فرماتی ہیں۔

صدقے گئی نیزوں کو ہلاتے ہوئے جاؤ
شکلیں مجھے پھر پھر کے دکھاتے ہوئے جاؤ

محاکات

تسلیم کو گھوڑوں سے جھکے دونوں وہ گلرو
دل ماں کا یہ اڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو
باگیں جو اٹھائیں تو فرس بن گئے آہو
پھر دیکھنے پائی نہ انہیں زینب خوشخو
میداں کی طرف یاس سے ماں رہ گئی تک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

حضرات عون و محمد کی تعریف میں مرثیہ نگار نے تمام زورِ تخیل صرف کر دیا ہے۔ آئندہ کے بند ملاحظہ ہوں۔

مبالغہ شاعرانہ

میدان میں عجب شان سے وہ شیر نر آئے
گویا کہ بہم حیدر و جعفر نظر آئے
اس شان سے حضرت کی بہن کے پسر آئے
ثابت ہوا بالائے زمیں دو قمر آئے
یوسف سے فزوں حسن گرانمایہ ہے اُن کا
یہ دھوپ بیاباں میں نہیں سایہ ہے اُن کا

وہ چاند سا منہ اور وہ گیسوئے معنبر
وہ بدر سے رخسار زہے قدرتِ داور
سب شان یداللہ کی سب شوکتِ حیدر
چتون وہی غصہ وہی ساری وہی تیور
یہ دبدبہ کس صاحبِ شمشیر نے دیکھا
دیکھا جسے معلوم ہوا شبیر نے دیکھا

لطافتِ تشبیہ

تھے حسن میں اُن دونوں کے آئینہ رو ایک پیشانی و ابرو و سر و صدر و گلو ایک
شان ایک شکوہ ایک جو رنگ ایک تو بو ایک دل ایک جگر ایک جسد ایک لہو ایک

اور اُن سا کوئی غرب سے تا شرق نہیں ہے
دو ٹکڑے ہیں اک سیب کے[1] کچھ فرق نہیں ہے

نیمچوں کی تعریف

موت آئی اُدھر نیمچے دونوں جدھر آئے جب ہاتھ پڑا پاؤں پہ کٹ کٹ کے سر آئے
گہ سینہ تک آئے تو کبھی تا کمر آئے خالی نہ پھرے جیسے گئے خوں میں بھر آئے

ہر نیمچہ بجلی تھا ستمگاروں کے حق میں
ڈوبے ہوئے تھے دو مہ نو خوں کی شفق میں

دونوں بھائی جنگ شروع کرتے ہیں۔

اٹھتی نہ تھی ڈر سے کسی خونخوار کی گردن سر خود کا جھک جاتا تھا تلوار کی گردن
دو چار کے منہ کٹ گئے دو چار کی گردن اسوار کا سر اُڑ گیا رہوار کی گردن

دو نیمچے بجلی سے گزرتے تھے کمر سے
آدھے ہوئے جاتے تھے لعیں جان گئے ڈر سے

لطافتِ تمثیل

گردن سے بڑھے کاٹ کے پیکر نکل آئے جوشن کو دکھاتے ہوئے جوہر نکل آئے
چار آئینہ میں تیر کے باہر نکل آئے صابون سے دو تار برابر نکل آئے

[1] یہ تشبیہ اگرچہ شعرائے عرب کے کلام سے ماخوذ ہے لیکن پھر بھی قابلِ صد آفریں ہے۔

محراب کے نیچے گسے جھکتے نہیں دیکھا
مچھلی کو بندھے پانی میں رکتے نہیں دیکھا

گھوڑے تھے چھلاوہ کبھی یاں تھے کبھی واں تھے[1] پتلی میں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
یاں تھے جو سبکرو تو اُدھر گرم عناں تھے مچھلی تھے کسی جا تو کہیں آب رواں تھے
ہو سکتی تھی مچھلی سے یہ سرعت نہ ہرن سے
جھونکے تھے ہوا کے کہ نکلجاتے تھے سن سے

معرکہ آرائی

دو لاکھ کو دونوں نے کیا تھا نہ و بالا تیغ ایک کی چلتی تھی تو اک بھائی کا بھالا
اک بڑھ گیا گر ایک نے گھوڑے کو نکالا دم اس نے لیا اس نے لڑائی کو سنبھالا
یکجا فرس تیز قدم ہو گئے دونوں
جب بھیڑ بڑھی کچھ تو بہم ہو گئے دونوں

وہ چھیڑ کے تازی کو سواروں میں در آیا دم بھر میں پیادوں کو یہ پامال کر آیا
جب شیر سا پہنچا وہ اُدھر یہ اِدھر آیا جاں آگئی جب بھائی کو بھائی نظر آیا
بچ بچ کے نکلتے تھے جو نیزے کے تلے سے
اک بھائی لپٹ جاتا تھا بھائی کے گلے سے

بھائیوں کی محبت

کچھ بھائی سے بڑھ کر جو وغا کرتا تھا بھائی بچ جانے کی بھائی کی دعا کرتا تھا بھائی
حق بھائی کی الفت کا ادا کرتا تھا بھائی ہر وار پہ بھائی کی ثنا کرتا تھا بھائی

[1] "یاں واں" متروک ہیں۔ "یہاں" "وہاں" لکھنا چاہیئے

تم سا نہیں صفدر کوئی واللہ برادر
کیا خوب لڑے سلمک اللہ برادر

چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے تشنہ دہانی کی شکایت کرتا ہے۔ بڑا بھائی جواب دیتا ہے۔

آنکھیں تو ستمگاروں کی تیغوں سے لڑی ہیں
چپکے رہو اماں در خیمہ پہ کھڑی ہیں

دونوں بھائی آپس میں یہی گفتگو کر رہے تھے۔ کہ دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ حضرت امام حسین دور سے معرکہ آرائی دیکھ رہے تھے بچوں کو اس حالت میں دیکھ کر بیقرار و مضطرب ہو گئے اس وقت۔

عباس نے کی عرض کلیجہ ہے دو پارا ان کو تو کسی کی نہیں امداد گوارا
زخمی ہوئے اور مجھ کو نہ اکبر کو پکارا جائے یہ غلام آپ جو فرمائیں اشارا
حضرت کی قسم دے کے میں سمجھاؤنگا انکو
مچلینگے تو گودی میں اٹھا لاویں گا اُن کو

ناگاہ خبر پہنچتی ہے۔ کہ عون و محمد شہید ہو گئے۔ حضرت امام میدان جنگ میں جانے کا قصد کرتے ہیں۔ حضرت زینب محض اس خیال سے کہ بھائی کسی آفت میں نہ مبتلا ہو جائیں اس طرح روکتی ہیں

بیٹوں سے ہوئی گر تو ہوئی آج جُدائی سر پر مرے دنیا میں سلامت ہیں بھائی
اک دولتِ اولاد لٹائی تو لٹائی کیا لٹ گیا وہ کونسی ایسی تھی کمائی
کیوں روؤں میں دنیا میں جو دلبند نہیں ہیں

کیا اکبر و اصغر مرے فرزند نہیں ہیں

اک شور قیامت جو حرم میں ہوا برپا زینب بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا
چلائی ارے چپکے رہو غل ہے یہ کیسا بھائی ہیں سلامت مجھے کیوں دیتی ہو پرسا

ہے ہے نہ کرو صدا جو گھبرائینگے شبیر
پھر کون ہے زینب کا جو مرجائینگے شبیر

محبت مادری

باتیں یہ کہیں سب سے پہ سنبھلا نہ دلِ زار تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اکبار
واں لاشوں پہ روتے ہوئے پہنچے شہِ ابرار مہماں کوئی ساعت کے تھے وہ جگر افگار

کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

حضرت امام حسین علیہ السلام معہ حضرات عبّاس و علی اکبر مجروح بھانجوں کے قریب پہنچے جو خاک پر دم توڑ رہے تھے حضرت بھانجوں کی یہ حالت دیکھکر بے اختیار ہوگئے۔ بچوں کو ہشیار کیا۔ بچے اس وقت بھی حضرت علی اکبر سے یہ کہتے ہیں۔

اماں کو جو غم ہو انہیں سمجھائیو بھائی"

یہ کہکر۔

پھر کی نہ کوئی بات سفر کر گئے دونوں
آنسو تھے رواں آنکھوں سے اور مرگئے دونوں

حضرت امام بھانجوں کی لاشیں حرم میں اٹھوا لائے۔ حضرت زینب انتہائی ضبط کے

باوجود مجروح بچوں کی معصوم صورتیں دیکھکر اور حضرت امام کی گفت گو سنکر بے چین ہوگئیں۔

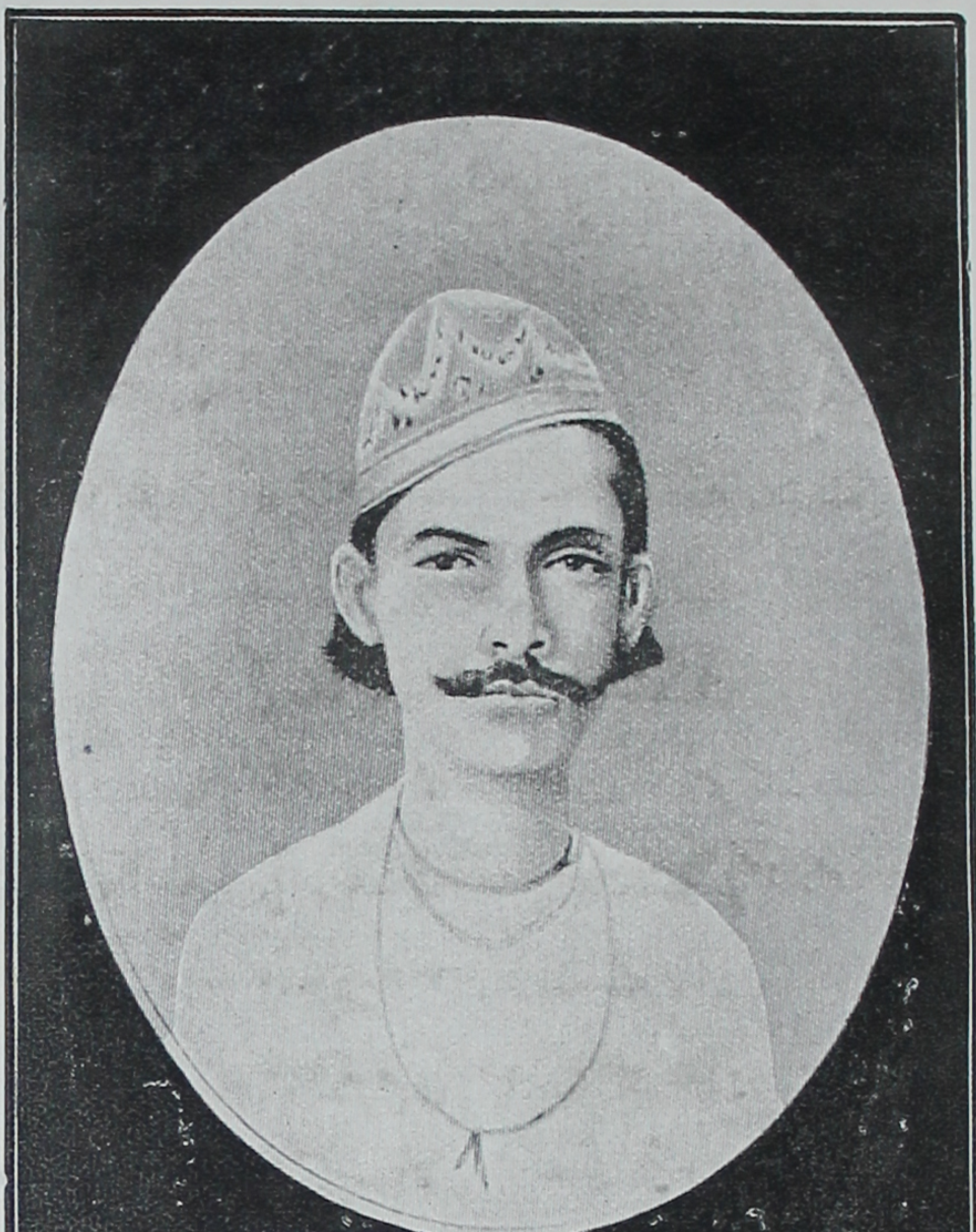
میر انیس

جب زینب بیکس کے پسر گھر گئے رن میں
وہ فاقہ کش و تشنہ جگر گھر گئے رن میں
شیدائے شہ جن و بشر گھر گئے رن میں
اعدا سے لڑے خوب مگر گھر گئے رن میں
زخموں سے بدن رشک چمن بن گئے اُنکے
کپڑے جو بدن پہ تھے کفن بن گئے اُنکے

پیشانیوں سے خون کے قطرے تھے ٹپکتے
شملوں کے کٹے پیچ تھے چہروں پہ لٹکتے
تھے نرگسی آنکھوں سے منہ ایک کا تکتے
پر کھیت سے پیچھے کو نہ تھے پانوں سرکتے
جو گھیرتے جیراں انہیں کر دیتے تھے دونوں
سینوں کو دم تیغ پہ دھر دیتے تھے دونوں

دو طفل کہاں اور کہاں لاکھ جفا کار
جاتے تھے جدھر پڑتی تھی تلوار پہ تلوار
تلواروں کے زخموں پہ لگے برچھیوں کے وار
اور اس کے سوا نیزوں کی تھی پیاس پہ بوچھار
سینوں سے پس پشت سنانیں نکل آئیں
غنچوں کی طرح منہ سے زبانیں نکل آئیں

پاؤں سے رکابیں جو نکل جاتی تھیں سہم
جھک جھک کے سنبھل جاتے تھے وہ بیکس پُر غم
چھوٹا یہی کہتا تھا بڑے سے کہ چلے ہم
پیاس ایسی ہی بھائی کہ ہے اب نزع کا عالم



شبیہ میر ببر علی انیس طاب ثراہ

دیکھیں ہمیں آ کر شہِ والا کو پکارو
اب خاک پہ ہم گرتے ہیں آقا کو پکارو

گھبرا کے سوئے خیمہ جو رُخ کرتے ہیں راہوار
پیشانیوں پہ نیزے لگاتے تھے جفاکار
شمشیروں کے تھے گردنوں پر زخم نمودار
پٹھوں سے بہت ہو گئے تھے تیرِ ستم پار
کف منہ سے کھڑے ہو کے گرانے لگے گھوڑے
طاؤس کی صورت نظر آنے لگے گھوڑے

آپس میں زبس رکھتے تھے اُلفت وہ دلاور
ایک ایک کے پہلو سے سرکتا تھا نہ دم بھر
دونوں وہ جری ہوتے تھے مجروح برابر
برچھی اُسے لگتی تو اُسے لگتا تھا خنجر
گردوں کو ہر اک تشنہ گلو دیکھ رہا تھا
اک بھائی کا اک بھائی لہو دیکھ رہا تھا

جب تیغ لگا تا تھا کوئی چھوٹے کو آکر
تکتا تھا بڑے بھائی کو منہ اپنا پھرا کر
وہ رشکِ قمر گھوڑے سے گھوڑے کو ملا کر
چھوٹے کو لپٹ جاتا تھا ہاتھوں کو بڑھا کر
کہتا تھا کہ اس خوں بھری صورت کے میں صدقے
اے جانِ برادر تری حالت کے میں صدقے

غل فوج میں تھا ہاں انہیں گھوڑوں سے گراؤ
اب خاک میں ان چاند کے ٹکڑوں کو ملاؤ
کہتا تھا عمر دونوں کے سر کاٹ کے لاؤ
اور زینبِ غمدیدہ کو لیجا کے دکھاؤ
کہیو کہ یہ اولاد کی اُلفت کے ثمر ہیں
لو بھیجا تھا جن کو وہی دونوں یہ پسر ہیں

جب خانۂ زین پر نہ ٹھہرنے کی رہی تاب
یکبار گرے ریت پہ وہ گوہرِ نایاب

تڑپے کئی ساعت صفتِ ماہیِ بے آب — چلائے کہ اے لختِ دلِ فاطمہ زہرا بابا

مرتے ہیں صدا دینے کا یارا نہیں آقا
حضرت کے سوا کوئی ہمارا نہیں آقا

گوشِ شہِ دیں تک یہ صدا آئی جو رن سے — نزدیک یہ تھا روح نکل جائے بدن سے
رو کر کہا عباس سے اور ابنِ حسن سے — شرمندہ کیا بھانجوں نے ہم کو بہن سے

فردوس کو دنیا سے سفر کرتے ہیں دونوں
بن پھولے پھلے ہائے غضب مرتے ہیں دونوں

حضرت زینب کو اپنے بچوں کی شہادت کی خبر پہنچتی ہے۔ حضرت امام صد درجہ دردمند ہیں۔ آپ بچوں تک پہنچنے کے لئے آمادہ ہیں۔

یہ سُن کے کہا بنتِ شہِ عقدہ کشا نے — محنت مری صد شکر لگی آج ٹھکانے
جو حسرتیں تھیں دل میں نکالیں وہ خدا نے — صدقے گئی تم جاؤ نہ لاشوں کو اُٹھانے

لاشیں مجھے کیا کرنی ہیں میداں سے منگا کر
صدقہ کوئی لاتا ہے بھلا گھر میں اُٹھا کر

ہے آپ کے رونے سے مرا دل تہ و بالا — میں نے تو اسی دن کیلئے تھا انہیں پالا
حضرت کو سلامت رکھے اللہ تعالےٰ — بھینا کو یہ دولت ہے بڑی اے شہِ والا

مرجانے کا دو بیٹوں کے کیا دھیان کروں میں
سو لال جو ایسے ہوں تو قربان کروں میں

عباس کو تب حضرتِ زینب نے بلایا — وہ مہر لقا اشک بہاتا ہوا آیا
رو رو کے اُسے شہ کی بہن نے یہ سنایا — ہے بھانجوں کے غم میں یداللہ کا جایا

لاشوں پہ انہیں اشکوں سے منہ دھونے نہ دینا

بھیّا مرے ماں جائے کو تم رونے نہ دینا

دو روز کے فاقے کے سبب ضعف ہے طاری　　غش ہو نہ کہیں دھوپ میں ہے عاشق باری

سائے میں علم کے انہیں لیجاؤ میں واری　　دھڑکا ہے کہ تیر ان کو نہ ماریں کہیں ناری

اعدا کی طرف آنکھ لگائے ہوئے رہنا

زہرا کے کلیجے کو بچائے ہوئے رہنا

لاشوں کو اٹھانے جو نہ دیں ظالم گمراہ　　بھائی کو مرے پھیر کے لے آئیو للّٰلہ

ایسا نہ غضب ہو کہ لڑیں سرور ذی جاہ　　سر پیٹ کے مر جاؤں گی زخمی جو ہوئے شاہ

لاشے وہیں چھوڑ آئیو زنہار نہ لانا

دیکھو میں خفا ہوں گی خبردار نہ لانا

حضرت امام قتل گاہ کی طرف جا رہے ہیں، فرطِ غم سے آپ کا یہ عالم تھا۔

تھامے ہوئے تھے باپ کا بازو علی اکبر

رقّت کا یہ تھا جوش کہ تھرّاتے تھے سرور

حضرت جب لاشوں کے قریب پہنچے بچّوں کا عجیب حال تھا۔

بند آنکھیں تھیں اور شکل اجل پیش نظر تھی

کون آیا ہے بالیں پہ انہیں کچھ نہ خبر تھی

نام اُن کے جو لے لے کے پکارے شہ ذیجاہ　　آنکھیں بھی کھلیں ہونٹ بھی جنبان ہوئے ناگاہ

جان آگئی آیا جو نظر فاطمہ کا ماہ　　ہو کر متبسّم کہا المنّۃ للّٰلہ

اشک آنکھوں سے یہ کہہ کے بہانے لگے دونوں

سر ماموں کے قدموں پہ جھکانے لگے دونوں

حضرت بچوں کو خیمہ میں اُٹھا کر لیجانا چاہتے ہیں بچے کہتے ہیں۔

آہستہ یہ بولے پسر زینب بے پر
حکم اُن کا یہ ہے جیتے نہ آب آئیگو پھر کر

پھر کہتے ہیں۔

بیجان ویں جائیں یہ لازم ہیں کب ہے
حق دود کا اماں جو نہ بخشیں تو غضب ہے

بچوں پر عالم نزع طاری ہو کر ان کی یہ حالت ہو گئی۔

خوں بہنے لگا زخموں سے یکبار زمین پر
بل کھانے لگے گیسوئے خمدار زمین پر

چہروں پہ عرق آیا بدن ہونے لگے سرد
شکل گل پژمردہ ہوئے چاند سے مُنہ زرد
ہاتھوں کو پٹکنے لگے سینے ہوئے پُر گرد
اور کروٹیں لے لے کے کراہے وہ بصد درد

پھر ماموں سے کچھ بات نہ کی مر گئے دونوں
جنت کے گلستاں میں برابر گئے دونوں

لاشے لئے خیمے میں جو داخل ہوئے سرور
ماتم کے لئے بیبیوں نے کھول دیئے سر
تصویر سی خاموش رہی زینب مضطر
حضرت نے لٹایا انہیں مسند پہ برابر

نہوڑائے ہوئے سر شہ مظلوم کھڑے تھے
سینوں پہ دھر ہاتھ وہ معصوم پڑے تھے

زینب کا یہ نقشا تھا کہ روتی تھی نہ اصلا
لب خشک تھے رخ زرد تھا اور جسم میں رعشا
تھی آگ لگی دل میں تڑپتا تھا کلیجہ
شہ کہتے تھے چھاتی سے لگاؤ انہیں بھینا

عاشق تھے یہ اے زینب ذیشان تمہارے

بخشو انہیں اب دودھ میں قربان تمہارے

ماں خستہ جگر رونے لگی سُنکے یہ تقریر
چھاتی امنڈ آئی دلِ مضطر پہ لگا تیر
لاشوں پہ گری آن کے وہ بیکس و دلگیر
چلائی یہ دل تھام کے باحالتِ تغیّر
صدقے گئی کچھ منہ سے کہو آئی ہے مادر
مادر کی تمہیں یاد تھی سو آئی ہے مادر

جو میں نے کہا تھا وہ کیا تم نے میں قرباں
اب ایسے کہاں پاؤنگی میں تابع فرمان
خالق کی قسم تم سے رضامند ہے اماں
بخشا تمہیں حق دودھ کا میں نے دل و جان
جنّت میں مجھے بھول نجانا مرے پیارو
مادر کو بھی اب جلد بلانا مرے پیارو

شاعر کی مناجات

یارب[۱] خزاں کا باغِ سخن میں گذر نہو
گلزارِ نظم میں شجرِ بے ثمر نہو
وہ پھول کر عطا جسے گلچیں کا ڈر نہو
شاداب یوں رہے کہ خزاں کو خبر نہو
وہ خوش بیانیاں ہوں کہ بلبل نثار ہو
نغموں سے عندلیبِ چمن بے قرار ہو

یارب[۲] ہرا بھرا چمنِ آرزو رہے
ہر دم مری زباں پہ تیری گفتگو رہے
جو نکتہ چیں ہو خوار و زبوں چار سو رہے
باغِ سخن میں گل کی طرح رنگ و بو رہے

۱ے اس بند میں شاعری کو باغ سے تشبیہ دی ہے ۔ اور ہر شعر کو ایک پھول کہا گیا ہے ۔
۲ے "آرزو کا چمن ہرا بھرا رہے" "آرزو کا چمن پھلے پھولے" ۔ مراد میری آرزوئیں پوری ہوتی ہیں ۔

مضموں کی آب و تاب پہ کوثر نثار ہو
مصرع وہ ہوں کہ شاخِ گُل تر نثار ہو

اوصافِ خداوندی

جلوہ ہے ہر جگہ تیری قدرت کا آشکار — کیا کیا کئے ہیں خلق گہرہائے آبدار
کس سے بیاں ہوں کہ ہیں اوصاف بیشمار — ہے لاکھ جان سے تری صنعت پہ دل نثار
کیا دخل فکر راز حقیقت کا پا سکے
ممکن نہیں ہے فہم ملایک میں آسکے

الطافِ حق

چاہے جو تو تو دم میں گدا شہریار ہو — ہر سنگ ریزہ رشکِ دُرِ شاہوار ہو
نابود بود ہو ابھی جو گل ہے خار ہو — تیرے کرم سے فصلِ خزاں بھی بہار ہو
دن کو جو حکم دے شبِ دیجور ہو ابھی
اور رات تیرے مہر سے پُر نور ہو ابھی

رنگینی بیاں

صحرا پہ گر پڑے تری الطاف کی نظر — ہر خار گل ہو اور شجرِ طور ہر شجر
ذرّے ابھی ہوں صورتِ خورشید جلوہ گر — ہر نخل خشک تیرے کرم سے ہو بار ور
ہر دشت و در ہے تیری عنایت سے بہرہ یاب
دیتا ہے تو ہی سنگ کو لعل اور گہر کو آب

مختارِ جزو کل

تیرے سوا نہیں کوئی مختارِ کائنات — مالک ہے دو جہاں کا تو اے ربِّ پاک ذات

دیتا ہے ہر بلا سے بشر کو تو ہی نجات		تیرے ہی اختیار میں ہے موت اور حیات

تیرے کرم سے مور سلیمانِ دہر ہو

جنگل میں لطف باغ ہو ویران شہر ہو

ہیں تیرے حکم میں مہ و خورشید و آسماں		رازِ دلِ بشر نہیں تجھ سے ذرا نہاں۔

تجھ پر عیاں ہے سب کہ نہیں حاجت بیاں		یہ التجا ہے میری کہ اے ربِ انس و جاں[1]

جُز حمد و مدح اور زباں کو نہ کام دے

شکر فروش لب ہوں وہ شیریں کلام دے

لکھنا ہے آج معرکۂ کربلا کا حال		امیدوار تیری مدد کا ہوں ذوالجلال

باغِ رسول[2] ہوتا ہے جنگل میں پائمال		نو دن سے مبتلائے بلا ہے نبی کی آل

غش میں پڑے ہیں پیاس سے اصغر سی مہ جبیں

ہوش و حواس غم سے کسی کے بجا نہیں

مرقع نگاری

اصغر ہے بیقرار سکینہ ہے بے حواس		گھر بھر کو آج جینے سے اصغر کے ہے ہراس

روتی ہیں بیٹھی بیبیاں جھولے کے آس پاس		محوِ نمازِ شب ہیں شہنشاہِ حق شناس

سجادِ ناتواں کا بدن آہ سرد ہے

ہر گل کا رنگ پیاس کی شدت سے زرد ہے

---

[1] "انس و جاں" بمعنی انسان اور جن

[2] "باغِ رسول" آلِ رسول مراد ہے۔

نمودِ صبح

ظاہر نقاب شب سے ہوا جب عذارِ صبح[1] مہتاب نے کیا زرِ انجم نثارِ صبح[2]
آلودۂ شفق ہوا روئے بہارِ صبح بیدار خواب سے ہوئے طاعت گذارِ صبح
رنگِ شبِ سیاہ جو کافور ہو گیا
پھیلا سپیدۂ سحری نور ہو گیا

پڑھ کر فریضۂ سحری شاہِ نامدار[3] نکلے حرم سرا سے بصد عزت و وقار
دیکھا کہ جمع ہیں درِ دولت پہ جاں نثار شوقِ عروس مرگ ہر چہروں سے آشکار
خشکیدہ لب ہیں پیاس سے تغیرِ حال ہے
جرأت وہی ہر فاقوں سے گو جی نڈھال ہے

نعرے ہیں دمبدم کہ نثارِ شہِ اُمم اب جلکے سلسبیل[4] پہ سیراب ہونگے ہم
کیا ہوگا گو ہیں جمع ادھر بانیٔ ستم خالق مدد کریگا کچھ اس کا نہیں ہے غم
لڑتے ہیں حق پہ بادشہِ بحر و بر[5] کے ساتھ
سر فاطمہ کے لعل کا ہے اپنے سر کے ساتھ

---

[1] "ظاہر نقاب شب سے ہوا جب عذار صبح" جب رات کے تاریک پردے سے صبح کا رخسار چمکا - مراد یہ ہے - کہ جب صبح نمودار ہوئی -

[2] "مہتاب نے کیا زرِ انجم نثارِ صبح" - چاند کی روشنی نے تاروں کی دولت صبح پر نثار کر دی - مراد یہ ہے کہ تارے چھپ گئے -

[3] شاہ نامدار - امام حسین مراد ہیں - [4] سلسبیل نہر جنت کا نام ہے -

[5] بادشاہ بحر و بر - برادر فاطمہ کے لعل سے امام حسین مراد ہیں -

مرقع نگاری

واں مورچے جماتے ہیں رن میں ستم شعار
صف باندھے یاں کھڑے ہیں جوانانِ ذیوقار
ہے سایہ علم میں محمدؐ کا یادگار
جرأت سے سب کی شاد ہیں شبیرؑ نامدار
ایک ایک جاں نثار کو سر بارِ دوش ہے
چہرے ہیں لالہ فام یہ جرأت کا جوش ہے

اندازِ بیان

ہیں لاجواب باغِ جہاں میں یہ گلبدن
گویا زمیں پہ پھولا ہے فردوس کا چمن
چہروں پہ کیا ضیا ہے زہے شانِ ذوالمنن
سنبل خجل ہو دیکھے جو گیسوئے پرشکن
آئینہ اُن کے حسن سے پرتو سے دنگ[1] ہے
گل رو کوئی جواں ہے کوئی سبزہ رنگ ہے

کہتے ہیں شہ سے اکبرؑ و عباسؑ باوفا
تاخیر اب تو جنگ میں ہرگز نہیں روا
دیکھیں حضور تیر بھی آتے ہیں بے خطا
ہم بھی بشر ہیں صبر کی بھی کچھ ہے انتہا
کب تک کلام سخت یہ خادم سنا کریں
ارشاد شاہ ہوئے تو ان سے وغا کریں

فرمایا شہ نے جائیں جوانانِ نامور
کیا ڈر ہے جو ادھر ہیں کئی لاکھ اہلِ شر
اس لشکرِ قلیل کو دے گا خدا ظفر
نکلے وغا کو یادرِ سلطانِ بحر و بر
پیروں نے لڑکے زورِ جوانی[2] دکھا دیا
دریا لہو کا گھاٹ کے اوپر بہا دیا

---

[1] "دنگ ہونا" حیران ہونا۔ [2] زورِ جوانی دکھانا۔ جوانوں کی طرح لڑنا۔

سولہ پہر کی پیاس میں وہ تشنہ لب لڑے   اُلٹیں صفیں بچھائے پرے جا کے جب لڑے
نکلا اِدھر سے ایک اُدھر مل کے سب لڑے   تا وقتِ ظہر سب وہ بہادر غضب[1] لڑے
اُلٹیں تھیں صفدروں نے صفیں فوجِ شام کی
مرنے پہ بھی نہ چھوڑی رفاقت امام کی

جب یاورانِ شاہِ امم[2] ہو چکے فِدا   جانے لگے عزیز سوئے گلشنِ بقا[3]
افسوس دو پہر میں بھرا گھر اُجڑ گیا   بادِ خزاں نے لوٹ لیا باغِ مصطفا[4]
یوں جا کے روئے شاہ تنِ پاش پاش پر
جس طرح بھائی روتا ہے بھائی کی لاش پر

اولاد جب عقیل[5] کی شہ پر ہوئی نثار   لاشوں پہ اُن کے روئے شہنشاہ نامدار
بھائی کا حال دیکھ کے زینب جگر فگار   بیٹوں کو دیکھتی تھی کنکھیوں[6] سے بار بار
کہتی تھی دل سے عون و محمد نہ جائینگے
فرزند فاطمہ کے نہ یہ کام آئیں گے

یہ کہکے کانپتی ہوئی اُٹھی بصد بکا   ہٹ کر وہاں سے کان میں فضہ کے یہ کہا
سبطِ نبی کے پاس کھڑے ہیں وہ مہ لقا   شہ کو خبر نہو اُنہیں جلدی بلا کے لا
مرتی ہے اس خیال میں یہ سوختہ جگر
آئے تھے میرے ساتھ وطن سے یہ کیوں اِدھر

---

[1] "غضب" بہت بہادری سے۔ [2] "شاہِ امم" امام حسین مراد ہیں۔ [3] "گلشنِ بقا" ہمیشہ رہنے والا باغ۔ مراد باغِ آخرت۔ گلشن کی طرف سدھارنا۔ مراد مرجانا۔ [4] "باغِ مصطفا" آلِ نبی مراد ہے۔ [5] "عقیل" مسلم عقیل۔ [6] "کنکھیوں" کنکھی۔ گوشۂ چشم کو کہتے ہیں۔

فضہ حضرت زینب کا پیغام سناتی ہے۔

گھبرا گئے یہ سنتے ہی زینب کے دونوں لال
ہاتھوں کو جوڑتے ہوئے دوڑے بصد ملال
تھا رنگ زرد چہروں کا صدمہ سے غیر حال
آئے جو ماں کے خیمے میں وہ دونوں نونہال

کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت زینب ناراض بیٹھی ہیں۔ یہ دیکھتے ہی

قدموں پہ دونوں گر پڑے ہاتھوں کو جوڑ کر
کی عرض آپ بیٹھی ہیں کیوں منہ کو موڑ کر[1]
ہو سکتا ہے کہ رشتہ الفت کو توڑ کر
ہم جائیں یاں سے سبط پیمبر کو چھوڑ کر

گر آج کام آئے نہ رنج و محن میں ہم[2]
پھر منہ کسے دکھائینگے اپنا وطن میں ہم

ماں نے جو دیکھا گر پڑے فرزند پاؤں پر
ہاتھوں سے سر اٹھا کے یہ بولیں بچشم تر
اب میں نہ ماں تمہاری نہ تم ہو مرے پسر
باتیں یہ کیوں بناتے ہو سب ہی مجھے خبر

آئے نہ میرے پاس بھی اس طرح گم ہوئے
اللہ ایسے کاموں میں مصروف تم ہوئے

اس درد سے جو ماں نے کئے یاس کے سخن
سر کو جھکا کے رونے لگے دونوں گلبدن
کی عرض ہاتھ باندھ کے اُس دم بصد محن
آگاہ اپنے دل سے ہی معبود ذوالمنن

آمادہ جان دینے پہ یہ خاکسار ہیں
نادم ہیں شرمسار ہیں تقصیروار ہیں

اماں خدا گواہ ہماری نہیں خطا
ماموں سے پوچھ لیجئے اپنا جو قصد تھا
ہر بار ہم تو ملتے تھے رخصت کو جا
کیا اپنا اختیار جو حضرت[3] نہ دیں رضا

[1] "منہ کو موڑ کر بیٹھنا" منہ پھیر لینا۔ حالت غم و غصہ مراد ہے [2] "کام آنا" مدد کرنا

[3] "حضرت" حضرت امام حسین مراد ہیں۔

خاموش ہیں تو سبط نبی کے ادب سے ہیں
ہم تو مگر کسے ہوئے مرنے پہ شب سے ہیں

اسی سلسلہ میں کہتے ہیں

ماموں کے ڈر سے کر نہ سکے عرض یارہا — چپکے کھڑے رہے عقب شاہ نامدار
مرتے ہیں غم سے غیر جو کرتے ہیں سر نثار — حضرت دلادیں جلد ہمیں اذن کارزار

ناگاہ امام خیمہ میں داخل ہوتے ہیں حضرت زینب صاحبزادوں کو لے کر ان کے پاس پہنچتی ہیں عون و محمد کے متعلق کہتے ہیں

دونوں نے جھک کے سر قدم شہ پہ دھر دیئے — زینب نے عرض کی کہ رضا ان کی دیجئے
دونوں کو اپنے ساتھ میں لائی ہوں اسلئے — رخصت سے سرفراز انہیں جلد کیجئے
ساتھی جوان کے تھے وہ جہاں سے گذر گئے
صدمہ یہ ہے کہ پہلے نہ کیوں ان سے مر گئے

وہ دن ہے آج تھی مجھے جسدن کی آرزو — ہیں یہ غلام آپ کے یا شاہ نیک خو
حضرت ہی کے سبب سے بڑھی ان کی آبرو — رخصت ملے تو جائیں سوئے فوج کینہ جو
رکھتی نہیں ہیں ان کے سوا کچھ متاع و مال
کیا خوش ہوں آپ پر جو فدا ہوں یہ نونہال

زینب کے اس کلام پہ چپ تھے شہ زمن — پھر بولے کیا یہ کہتی ہو ہر بار اے بہن
باغ علی کے پھول ہیں یہ غیرت چمن — واللہ جان و روح ہیں یہ میرے گلبدن
مرنے نہ انکو بھیجو ابھی خورد سال ہیں
فاقہ سے تین روز کے یہ نونہال ہیں

اصرار بے شمار جو ہمشیر نے کیا ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولے شہِ ہدا
دیدی رضائے حرب جو کچھ مرضیٔ خدا اچھا سدھاریں یہ بھی سوئے گلشنِ بقا
زخمی جگر پہ اور یہ دو غم اٹھائینگے
یہ جائیں پہلے مرنے کو ہم بعد جائینگے

خوش ہو کے بولی زینبِ مغموم و خستہ تن خالق تمہیں جہاں میں رکھے یا شہِ زمن
بیٹوں سے پھر یہ کہنے لگی وہ بصد محن واری نہ بھولیو جو شجاعت کا ہے چلن
رخصت ملی دعائیں دو اب بادشاہ کو
بچو کرو سلام شہِ دیں پناہ کو

پھر اپنے خیمے میں انہی لائی وہ سوگوار دونوں کو پیار کر کے یہ فرمایا میں نثار
پیارو نہ ڈریو لشکرِ اعدا سے زینہار یوں لڑنا صدقہ جاؤں کہ بھاگیں ستم شعار
زندہ نہ بچ رہے کوئی دشمن امام کا
ماں واری پاس چاہیئے بابا کے نام کا

تعلیمِ شجاعت

جھپکیں نہ آنکھیں تیغیں جو چمکیں میانِ جنگ کانپے نہ دل نہ خوف سے ہوں زرد منہ کے رنگ
چہرے چھپانا ڈھالوں سے ہے نامیوں کو ننگ ضرغامِ دین ہو بحرِ شجاعت کے ہو نہنگ
پیچھے نہ ہٹیو وقت ہے یہ امتحان کا
کرتے نہیں خیال جوانمرد جان کا

دیکھو کہے میں دیتی ہوں دریا پہ جاؤ گر شدت بہت ہے پیاس کی لب کیجیو نہ تر
کم قدر ہے جہاں میں جو بے آب ہو گہر فرق آبرو میں آئیگا پانی پیا اگر

دنیا میں پیارو نام وفا ڈوب جائے گا
کوثر کا جام پھر نہ کبھی ہاتھ آئیگا

حوصلہ افزائی

جاؤ گے تم جو لڑنے کو اے میری گلعذار
پردے سے در کے دیکھوں گی ہر دم میں سوگوار
دیکھوں تو آج کرتے ہو کس طرح کارزار
وہ یاد ہے جو کہتے تھے عباسِ نامدار
نام خدا سے آپ کے فرزند شیر ہیں
بچے ہیں گو مگر یہ ابھی سے دلیر ہیں

حضرات عون و محمد میدان جنگ کی طرف آتے ہیں۔

دہشت سے کانپتے ہیں جوانانِ خیرہ سر
آمد غضب کی ہے کہ ہلے جاتے ہیں جگر
نیزوں کو کس شکوہ سے رکھا ہے دوش پر
رخ سے عیاں ہے شوکت و اجلال سر بسر
ثابت قدم وہ سر پہ جو تیغ اجل چلے
ٹل جائے آسماں نہ جگہ سے قدم ٹلے

رجز خوانی

پہنچے جو قتلگہ میں گُلِ باغِ جعفری[1]
نعرے کئے کہ ہم ہیں جوانانِ حیدری
ہمسا جری ہے کون تہِ چرخِ چنبری
نکلے وہ لڑنے جس کو ہو دعوائے ہمسری
تن پر نہ سر رہے گا کسی نابکار کا
پانی[2] ہماری تیغوں میں ہے ذوالفقار کا

---

[1] گُلِ باغِ جعفری: حضرت جعفر کے باغ کے پھول یعنی حضرت جعفر کے صاحبزادے۔ مراد عون و محمد
[2] "پانی ہماری تیغوں میں ہے ذوالفقار کا" یعنی ہماری تلواریں حضرت علی کی مشہور تلوار ذوالفقار کی طرح آبدار ہیں۔

گونجے جو شیرِ نر کی طرح دونوں خورد سال
اُمڈی گھٹا کی طرح سے فوجِ زبوں خصال
تیغوں کو کھینچ کر یہ پکارے وہ نونہال
روباہ سامنا کریں شیروں کا کیا مجال

یہ کہہ کے بس اُٹھائے جو دونوں نے راہوار
بجلی کیطرح فوج میں در آئے ایک بار

توڑا پروں کو مورچے زیرو زبر کئے
بھاگیں صفیں وہ غازیوں نے رُخ جدھر کئے
بے سر ہزاروں جنگ میں بیداد گر کیئے
اِک اک جری نے وا درِ فتح و ظفر کئے

کاٹے انہیں کے سر جنہیں کبر و غرور تھا
ہر اک جری کا زخموں سے تن چور چور تھا

زورِ بیاں

تیغوں سے ظالموں کے کیئے دست و پا جدا
اکثر پڑے تھے تا بہ کمر نشکل لا جُدا
کرتی تھیں تیغیں کام جُدا اور قضا جُدا
روحیں عدم کو خوف سے بھاگیں جُدا جُدا

دہشت سے کانپ کر کوئی گر منہ کے بل گرا
بڑھکر پکارا عون کہ ظالم سنبھل گرا

بڑھ کر کہا بڑے سے یہ چھوٹے نے ایکبار
اے بھائی مل کے خوب ہی کی انسے کارزار
اعدا کہینگے مل کے لڑے یہ وفا شعار
جائیں یہیں پہ آپ تو ہم جانب یسار

باقی نہ حوصلہ رہے تیغ آزمائی کا
لڑیے الگ الگ تو مزا ہے لڑائی کا

لے "در فتح وا کرنا" فتح حاصل کرنا ۲ے "حوصلہ باقی رہنا" خواہش رہ جانا۔
۳ے "لہو کا دریا بہنا" خون سے زمین کا لالہ زار بن جانا۔

ہنس کر کہا بڑے نے یہ چھوٹے سے میں نثار
اچھا یہی خوشی ہے تو جاؤ سوئے یسار
گھبرا نہ جانا گھیر لیں تم کو جو نابکار
آواز دیتے رہنا برادر کو بار بار
گھر جائیں ظالموں میں جو ہم تم بچائیو
رہنا قریب ہم سے کہیں بڑھ نہ جائیو

یہ کہکے عون جری بائیں طرف رُخ کرتے ہیں شاعر آپ کی تلوار کے متعلق لکھتا ہے:-

چمکی جو تیغ مغفر آہن کو دو کیا
ڈھالوں کے پھول اڑا دیے جوشن کو دو کیا
آئی جو خود پہ سر و گردن کو دو کیا
زیں پر گری چمک کے تو توسن کو دو کیا
طوفان آب تیغ نے ہر سو اٹھا دیا
دریا لہو کا چار طرف کو بہا دیا

لڑتا تھا وہنی صف میں محمدؑ بکر و فر
بیدست و پا پڑے تھے ستمگر لہو میں تر
دریائے خوں میں بہتے تھے خیرہ سروں کے سر
ہر سو پڑے ہوئے تھے کٹے خنجر و تبر
دم لینے کی نہ دیتے تھے مہلت سپاہ کو
چُن چُن کے مارا فوج میں ہر رو سیاہ کو

فریب جنگ

ناگہ کسی نے پشت محمدؑ پہ دی صدا
حلقے میں اہلِ ظلم کے عونِ جری گھرا
لڑنے میں نام بھائی کا بھائی نے جب سُنا
دیکھا جو مڑ کے دل پہ لگا نیزۂ جفا

ے۱ "چن چن کر مارنا" - ایک ایک کو مارنا۔

اوٹھا جو درد دل میں تو خسم ہو کے رہ گئے
ٹکڑے جگر کے خون کے ہمراہ بہ گئے
کھینچا شقی نے زور سے نیزہ جو آہ آہ
اوٹھا یہ دل میں درد کہ عالم ہوا سیاہ
ہرنے پہ سر جھکا لیا حالت ہوئی تباہ
رو کر پکارا عون جری کو وہ رشکِ ماہ
بھائی دغا سے فوج نے مارا غلام کو
پھر لڑنا آکے دیکھ لو اس تشنہ کام کو
جب عون نے سنی یہ صدا اپنے بھائی کی
فرطِ قلق سے دل میں نہ طاقت ذرا رہی
گھوڑا دیا کے بھائی کے پاس آیا وہ جری
دیکھا لہو میں تر تو یہ آواز اُسنے دی
بھائی زباں سے کچھ کہو کیا دل کا حال ہے
وہ رو کے بولا درد سے جینا محال ہے
جب فوج کیں میں گھر گئے زینب کے دلربا
اک بار آکے ٹوٹ پڑے سارے اشقیا
زخموں سے چور چور ہوئے دونوں مہ لقا
جاں پر بنی ہوئی تھی یہ غلبہ تھا پیاس کا
آئے جو غش تو گھوڑوں سے وہ نامور گرے
اک غل ہوا کہ خاک پہ شمس و قمر گرے
پہنچے جو بھانجوں کے قریں شاہِ خوشخصال
دیکھا زمیں پہ لوٹتے ہیں دونوں نونہال
وہ گورے گورے جسم لہو سے ہوئے ہیں لال
زخموں سے چور چور ہیں اور ہی عجیب حال
سوکھے ہیں ہونٹ پیاس کا صدمہ ہے جان پر
غش میں بھی ہائے ماموں ہے جاری زبان پر

۱؎ "گھوڑا دبا کر" گھوڑا اڑا کر۔ ۲؎ "شمس و قمر" ایک بھائی کو چاند اور دوسرے کو سورج کہا ہے۔

زانو پہ رکھ کے دونوں کے سر شاہ نے کہا　　ماموں نثار ہائے یہ کیا حال ہو گیا
کانوں میں اُن کے پہنچی جو شبیرؑ کی صدا　　بے اختیار دونوں نے آنکھوں کو وا کیا
بولا گیا نہ ضعف سے تھرا کے رہ گئے
دم توڑ کے ہاتھ پاؤں کو پھیلا کے رہ گئے

امام دونوں کی لاشیں اٹھوا کر خیمے میں لے آتے ہیں۔ اس کے بعد

ماتم کی صف پہ دونوں کی لاشوں کو جب دھرا　　فضّہ نے لا کے ڈال دی اجلی سی اک ردا
دیکھا جو مُنہ تو حضرتِ زینب نے یہ کہا　　اے میرے مرنے والو تمہیں بخشے خُدا
پھر مُڑ رہے ہیں رن میں مبارز طلب لعین
واری اٹھو کہ سونے کا ہنگام یہ نہیں

جب ہوئے شاہ سے رخصت پسرانِ زینب　　اور چڑھے گھوڑوں پہ دونوں دل و جانِ زینب
ہوئے میداں کو رواں سروِ روانِ زینب[1]　　تھا درِ خیمہ پہ اُس دم یہ بیانِ زینب
مجھ پہ بھائی کا جو حق ہے وہ ادا کرتی ہوں
جاؤ پیارو میں تمہیں شہ پہ فدا کرتی ہوں

دونوں بھائی لشکرِ غنیم میں پہنچ جاتے ہیں شاعر لکھتا ہے۔

پہنچے وہ دونوں جری روبروئے لشکرِ شام
حسن سے اُنکے زمیں رن کی منور تھی تمام

اس کے بعد کہتے ہیں۔

[1] "سرِ روانِ زینب" ۔ حضرت زینب کے صاحبزادوں یعنی عون و محمد کو قد و قامت کے اعتبار سے سرو رواں کہا گیا ہے

اتنے میں شمر نے ان دونوں سی بڑھ کر یہ کہا — حیف ہے مرنے کو زینب نے تمہیں بھیج دیا
کسی ماں کا نہیں دیکھا ہے کلیجہ ایسا — ایک فرزند کو بھی پاس نہ اپنے رکھا

کس طرح سے یہ کیا داغ گوارا اُس نے
سرِ شبیر پہ تم دونوں کو وارا اُس نے

بولے زینب کے پسر بکتا ہے کیا او مکار — تو نہیں رتبے سے شبیر کے واقف زنہار
فخر ہے شاہ پہ قربان کرے جو گھر بار — اُن پہ فرزند کیا اپنا پیمبر نے نثار

روتی ہیں بنتِ علی شاہ کی تنہائی پر
ہوتے سو بیٹے تو کرتیں وہ فدا بھائی پر

بھائی کی عاشقِ صادق ہے ہماری مادر — ایک فرزند کو پاس اپنے وہ رکھتی کیونکر
ہم ہیں کیا چیز جو کرتیں وہ فدا بھائی پر — اسلئے بھیجا ہے میدان میں ہمیں دینے کو سر

ایک فرزند کو اکبر پہ کیا ہے صدقے
دوسرے کو علی اصغر پہ کیا ہے صدقے

سُن کے یہ شمر نے لشکر سے کہا چلا کر — ہاں جوانوں چلیں ان دونوں پہ شمشیر و تبر
کھینچ کر تیغ للکارے یہ زینب کے پسر — تو ہی لڑ ہم سے کہاں جاتا ہے او بد اختر

سگ ناپاک ہی ظالم ہے ستمگر ہے تو
بخدا دشمنِ اولادِ پیمبر ہے تو

بھاگا یہ سنتے ہی دہشت سے وہ مردودِ خدا — جا پڑے دونوں جری گھوڑوں کو چمکا چمکا
شمر تو جاتے ہی اسواروں کے حلقے میں چھپا — تان کر نیزوں کو حائل ہوئے سب اہلِ جفا

۱؎ "کلیجہ" دل گردہ - حوصلہ ۲؎ "بنتِ علی" حضرتِ زینب ۳؎ "گھوڑے کو چمکا کر" - یعنی تیز کر کے -

آ گئے غیظ میں اِک بار پسرِ زینب کے
فوج میں ڈوب[1] گئے رشکِ قمرِ زینب کے

پس گئے کتنے شقی ہو گئے کتنے بیدم جو تھے سردار اُنہیں کے کئے سرتن سے قلم
سُرخ تھا خونِ سے اشرار کے میدانِ ستم نعرہ ہر وار پہ کرتے تھے کہ یا شاہِ اُمم

غل تھا یہ کاٹ تو دیکھا نہیں شمشیروں کا
ایک کیا کم ہے کہ ہے سامنا دو شیروں کا

پانی مظلوموں[2] کو دو دن سے نہ پہنچا تھا ہم دھوپ میدان کی اور تشنہ لبی کا عالم
ایک کہتا تھا کہ اب پیاس سے مجھ میں نہیں دم[3] دوسرا کہتا تھا ہمّت کو نہ ہارو[4] اس دم

بھائی کیا لطف ہو اس میں کہ جو نا کام رہے
وہ کرو کام کہ عالم میں سدا نام رہے

ہم اگر چاہیں تو لے لیں ابھی دریائے فرات بھاگ جائیں وہ لبِ نہر ہیں جتنے بدذات
پر کئی روز سے پیاسے ہیں شہِ نیک صفات نام ہم پانی کا کس طرح سے لیویں ہیہات

کہہ کے یہ دونوں نے پھر حملہ شریروں پہ کیا
الاماں کہتے تھے اور بھاگتے تھے اہلِ جفا

مگر دیکھتے ہی دیکھتے لڑائی کا رنگ بدلا اور

پاس آ آ کے لگانے لگے نیزے اسوار برسی ہر سمت سے اُن پیاسوں کے اوپر تلوار
برچھیاں پڑتی تھیں اور تیروں کی بھی تھی بوچھاڑ آ گئے فوج کے نرغے میں وہ سینہ افگار

---

[1] ڈوب گئے۔ مراد چھپ گئے۔ نظروں سے اوجھل ہو گئے [2] مظلوم۔ عون و محمد مراد ہیں۔
[3] دم ہیں۔ طاقت ہیں۔ [4] ہمت ہار دینا۔ مایوس ہو جانا۔

پڑ گیا شور کہ وقفہ نہ ذرا دو ان کو
برچھیاں مار کے گھوڑوں سے گرا دو ان کو

اور یہ حالت تھی اُدھر زخموں سے خون تھا جاری
گھاؤ تھے جسم پہ دونوں کے نہایت کاری

سر جُھکے جاتے تھے ہرنے کی طرف ہر باری
وار تیغوں کے کئے جاتے تھے پیہم ناری

لیکن اس پر بھی وہ ساونت کھڑے لڑتے تھے
شیر کی طرح ہر اک شامی پہ جا پڑتے تھے

جنگ کرنے کی نہ معصوموں کو جب تاب رہی
گر پڑے خاک پہ تب خانۂ زیں سے وہ جری

دی صدا شاہ کو یا سبطِ رسولِ عربی
آیئے جلد کہ جنت کو چلے یہ فدوی

پہنچے میدان میں جو سیّد تو یہ ساماں دیکھا
خاک پر بھانجوں کو خون میں غلطاں دیکھا

ہو گئی خیمہ عصمت میں قیامت برپا
گرد لاشوں کے کیا اہل حرم نے حلقا

کوئی چلاتی تھی اے لاڈلو میں تم پہ فدا
کوئی کہتی تھی کہ ہے ہے تمہیں پانی نہ ملا

کوئی چلاتی تھی خون میں ہوئے غلطاں واری
یاں سے جیتے گئے تھے آئے ہو بیجان واری

۱؎ اوپر بجائے پر۔ اب متروک ہے۔ ۲؎ نرغے میں آجانا۔ گھر جانا۔ ۳؎ کاری گھاؤ گہرے زخم۔ ۴؎ ناری جہنمی۔ لشکر شام مراد ہے۔

۵؎ سید۔ امام حسین مراد ہیں۔

وہ فوجِ روم و شام وہ ترکی رسالدار — کالے نشان وہ کہ گھٹا جن سے آشکار
بھالے ہلا ہلا کے بڑھے بہرِ کارزار — بجلی سے کوندنے لگے میدان میں راہوار
مطلب تھا گرنے دیں نہ کسی نابکار کو
دوزخ میں جا کے ڈال دیں اپنے سوار کو

مرقع نگاری

جھرمٹ وہ فوج کا تو وہ لشکر کی دھوم دھام — وہ ترکیوں کے غول رسالوں کا اژدہام
تیغوں کو کھینچ کھینچ کے پیدل بڑھے تمام — تھے کوفیوں کے غول بھی تولے ہوئے حسام
افسر بڑھے جو تیغوں کے قبضوں کو چوم کے
تیار پہلوان بھی ہوئے جھوم جھوم کے

یاں تو یہ زلزلہ[1] ہے سنو اس طرف کا حال — رخصت طلب ہیں ماموں سے زینب کے نونہال
ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے کرتے ہیں یہ سوال — اب دیجئے رضا ہمیں اے فاطمہ کے لال
خادم ہیں خاکسار ہیں اور جاں نثار ہیں
سر دینے کے غلام بھی اُمّید وار ہیں

مارے گئے حضور کے انصار باوفا — حُر غیر تھا پہ دیکھئے کیونکر ہوا فدا
اور جب سے قتل ہو گئے مسلم کے دلربا — اس وقت سے ہیں والدہ صاحب بہت خفا
کیونکر خطا معاف ہو دل بیقرار ہیں
مرنے میں دیر ہو گئی تقصیر وار ہیں

[1] "زلزلہ" اصطلاحاً مصیبت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

یہ کہکے گر پڑے جو قدم پر وہ ماہرو بولے گلے لگا کے شہنشاہ نیکخو
پہلے تمہیں سے ہے ہمیں مرنیکی آرزو اس باب میں نہ کد کرو بیجا ہے گفتگو
حسرت یہ ہے کہ خلق سے مُنہ اپنا موڑ کے
اُٹھ جاؤں اِس جہان سے تم سب کو چھوڑ کے

اجازت دعا مل چکی تو

تسلیم کرکے ماموں کو دونوں وہ شیر نر خیمے میں آئے مرنے پہ باندھے ہوئے کمر[1]
بیٹوں کی لیں بلائیں جو زینب نے آن کر دستِ ادب کو جوڑ کے بولے وہ نامور
جب پانوں پر گرے تو اجازت ہمیں ملی
اقبال سے حضور کے رخصت ہمیں ملی

ماں یہ کہہ کر دونوں صاحبزادوں کا دل بڑھاتی ہے۔

ہلچل مچا دو آج یزیدی سپاہ میں انبار ہو سروں کا ہر اک سمت راہ میں
رستم سا پہلواں نہ سمائے نگاہ میں[2] خوں کے ڈریڑے بہنے لگیں رزمگاہ میں
گر دسترس ہو ہاتھ پہ شمر لعین کے
پہنچوں سے کاٹ ڈالنا خنجر کو چھین کے

زور بیاں

اس غول پر کبھی کبھی اس غول پر گئے توڑا یہ مورچہ وہ پرا خوں میں بھر گئے
دو اسکو کر دیا اُسے چور نگ کر گئے ٹھہرے بڑھے لڑے اُدھر آئے اُدھر گئے
ایک ایک تن جنگ لڑائی میں گد کرے
تم اس کی لو خبر وہ تمہاری مدد کرے

ملے "کمر باندھنا" تیار ہو جانا۔ ملے "نگاہ میں سمانا"۔ نگاہ میں جچنا

پیدل کو ڈو تو چار گرد ہر سوار کو | چن چن کے قتل کیجو ہر اک نابکار کو
زندہ بچے نہ ایک نہ چھوڑو ہزار کو | جاتے ہی مار لو عمرِ بدشعار کو
چاروں طرف نظر رہے جنگ و جدال میں
ہو جائیں ڈھیر لاشوں کے دشت و جبال میں

فوجوں پہ گھوڑے ملکے اٹھائے نکل گئے | سر افسروں کے تن سے گرائے نکل گئے
جوہر ہر ایک صف کو دکھائے نکل گئے | لشکر میں ڈولے اور ابھر آئے نکل گئے
بگڑی اگر لڑائی تو بے باک ہو گئے
دریائے قہر دیکھا تو پیراک ہو گئے

ہاتھوں میں پھرتیاں رہیں ہر سو نظر رہے | لشکر ہو بیچ میں تم ادھر وہ ادھر رہے
تر بتر صفیں ہوں فوج بھی زیر و زبر رہے | اس کو تمہاری اور تمہیں اس کی خبر رہے
رکھ لیجو پہلوانوں کو نیچے حسام کے
لشکر دوہائی دینے لگیں روم و شام کے

سو فن ہیں واری جنگ کے سوچا اسے ذرا | موقع ہو جیسا ویسا ہی کرنا دمِ وغا
باہم کبھی لڑے تو کبھی ہو گئے جدا | اس غول کو بھگا دیا اُس صف کو دی سزا
دم لے لیا کبھی کبھی سن سے نکل گئے
دشمن کی چمکی تیغ تو وار اپنے چل گئے

ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ نیکنام | فرمایا جو حضور نے سمجھے اسے غلام
ہوں آپ مطمئن نہیں کچھ خوف کا مقام | یہ کیا ہے فوج اور ہیں کیا پہلوانِ شام
کس کس کو مارا اور کسے پامال کر دیا

سُن لیجیے گا فوج کا جو حال کر دیا

بے سر کرینگے فوج کو تلواریں مار کے
سر افسروں کے پھینکیں گے تن سے اتار کے

ڈوبینگے خون میں غول یمین و یسار کے
ٹکڑے کرینگے ہم عمرِ نابکار کے

دیکھیں نہ منہ حضور جو میداں سے ہم ہٹیں
بخشیں ہمیں نہ آپ جو پیچھے قدم ہٹیں[1]

دونوں کو دیکھ کر شہِ دیں روئے زار زار
تیار تھے سجے ہوئے ڈیوڑھی پہ راہوار

بازو پکڑ کے دونوں کا شہ نے کیا سوار
دامن کمر میں رکھ کے جو لی باگ استوار

بھر کر طرارے[2] چشم زدن میں اُدھر گئے
سایہ بھی ڈھونڈھنے لگا گھوڑے کدھر گئے

آتے ہیں کس شکوہ سے زینب کے نونہال
جعفر کا دبدبہ اسد اللہ[4] کا جلال

قوت میں لاجواب تو جرأت میں بےمثال
سبزے[3] کی طرح فوج کو کر دینگے پائمال

پیک صبا رفتار فوجِ شام کو حضرات عون و محمد کی آمد کی اطلاع دیتے ہیں۔

سُننا تھا یہ کہ پڑ گیا لشکر میں تھا تہلکہ
ٹوٹا یہ مورچہ وہ پرا بھاگنے لگا

یہ صف ادھر کو آئی یہ غول اُس طرف گیا
سکتے میں تھا کھڑا عمرِ سعد بےحیا

ناگاہ سامنے سے وہ صفدر[5] عیاں ہوئے
کس دبدبہ سے شیر دلاور عیاں ہوئے

ف۱ "قدم پیچھے ہٹنا"۔ مراد شکست کھا کر پیچھے ہٹنا۔ ف۲ "طرارے بھر کر"۔ تیزی کے ساتھ روانہ ہونا
ف۳ "سبزے کی طرح پامال کرنا"۔ مراد بالکل پامال کر دینا۔ ف۴ "اسد اللہ" حضرت علی مراد ہیں۔ ف۵ "صفدر" عون و محمد مراد ہیں۔

سرتاقدم پسینے میں غازی[1] ہیں تر بہ تر ٹھہرے سمند روک کے دونو وہ نامور
باگوں کو رکھ کے زین کے اوپر ادھر اُدھر رومال پھر کمر سے نکالے بکرّ و فر
بچپن سے تھا جو شوق دلوں میں صفائی کا
پونچھا پسینہ رُخ کا گلو کا کلائی کا

رومال رکھ کے باگوں کو ہاتھوں میں لیلیا قبضے کا ڈورا کھول کے چھوٹے نے یہ کہا
کیا قصد ہے حضور کا فرمائیے ذرا بڑھ آئی ہے ادھر کو بہت فوج اشقیا
پڑھنے کا اب رجز کے ارادہ نہ کیجیے
دن چڑھ گیا ہے جنگ میں عرصہ[2] نہ کیجیے

جوشِ شجاعت

خیمہ وہ ابنِ سعد کا ہے دیکھیے حضور گر اس کو ماریں تو بہت دل کو ہو سُرور
جائیگا ہم سے بچ کے کہاں ایسے بے شعور مٹ جائیگا اک آن میں سب فوج کا غرور
حملہ کیا تو مورچے سب ٹوٹ جائینگے
بودے ہیں کیا لڑینگے یہ جی چھوٹ جائینگے

کہنے لگے یہ بھائی سے عونِ فلک حشم آسان سب ہے چاہیے اللہ کا کرم
پہلے تو ابن سعد کا سر تن سے ہو قلم پھر شمرِ نابکار پہ تلوار ہو علم
یہ دونوں قتل ہولیں تو باگوں کو پھیر کے
لشکر میں ایک ایک کو مارینگے گھیر کے

[1] "غازی"۔ عون و محمد مراد ہیں [2] "عرصہ کرنا" مراد دیر کرنا۔

یہ ذکر تھا کہ آنے لگے تیر بے شمار ۔ آپس میں ہنسکے یہ کہا دونوں نے ایک بار
ہاں کھینچو نیمچے نہ کرو دیر زینہار ۔ لو جاؤ تم ہمیں کی طرف ہیں سوئے یسار
یہ کہہ کے دونوں شبیر جواں فوج پر چلے
میدان صاف ہونے لگا یہ جدھر چلے

نیچے وہ شیر سے وہ شرربار نیمچے ۔ بجلی سے کوندجاتے تھے ہر بار نیمچے
اس پار صف کے تھے کبھی اس پار نیمچے ۔ مشہور تھے وہ فوج میں خونخوار نیمچے
اُٹھے گرے جو فوج میں بجلی کڑک گئی
رہا یہ بھی جس پہ پڑ گیا آتش بھڑک گئی

نکلا جو کوئی فوج سے گھبرا کے نامور ۔ بھائی کو بھائی نے یہ صدا دی پکار کر
آتا ہے یہ شکار ذرا لیجئے خبر ۔ یہ سنکے بھاگنے لگا ناری اِدھر اُدھر
بیرنگ تھا یہ اَور بھی بے رنگ کر دیا
دونوں نے پاس آن کے جو رنگ کر دیا

نیمچوں کے متعلق کہتے ہیں۔

رزمیہ

چمکی جو خود پر تو برابر سر اُڑے ۔ ڈھالوں کے پرزے ہو کے اِدھر اور اُدھر اُڑے
برگ خزاں کیطرح جدا ہو کے سر اُڑے ۔ چلاتی تھیں کمانیں کہ تیروں کے پر اُڑے
آئے کماں کشوں پہ جو تیغوں کو تول کے
سوفار گر گڑانے لگے منھ کو کھول کے

۵۱ اظہار عجز کرنا

چھوٹے کے نیمچے کی عجب چال ڈھال تھی　　بے سر یہ مورچہ تھا وہ صف پائمال تھی
آفت بپا تھی قہر کی جنگ و جدال تھی　　لالے کی طرح ساری زمیں رن کی لال تھی

نیمچے کی تعریف

وہ صاعقہ سا نیمچہ جس سر پہ چل گیا　　کیا آگ تھی کہ شمع کی صورت پگھل گیا
مرنے کی لَو لگی تو کلیجہ دھل گیا　　ٹھنڈا چراغ زیست ہوا دم نکل گیا
دم بھر میں ہانفہ جان سے وہ دھو کے رہ گیا
ایسا جلا کہ خاک پہ گل ہو کے رہ گیا

کوندے جو نیمچے سر لشکر اِدھر اُدھر　　جو رنگ ہو رہے تھے ستمگر اِدھر اُدھر
بے سر پڑے تھے خاک پہ افسر اِدھر اُدھر　　بسمل تڑپ رہے تھے برابر اِدھر اُدھر
زندوں نے منہ چھپائے تھے گھبرا کے ریت میں
کوتل سمند ٹاپتے پھرتے تھے کھیت میں

میدان صاف ہو جاتا ہے۔ دونوں بھائی باتوں میں مصروف ہیں۔ کہ اتنے میں غنیم پھر حملہ کر دیتا ہے۔ اور چاروں طرف سے انہیں گھیر لیتا ہے۔ اس دفعہ دو نو شبیر زخمی ہو جاتے ہیں۔

مصروف گفتگو میں تھے زینب کے لالہ فام　　آپہنچی پھر سمٹ کے اُدھر فوج روم و شام
گھوڑوں کی باگیں پھیر کے جھپٹے وہ تشنہ کام　　پھر چار سمت ہونے لگا رن میں قتل عام
لاکھوں سے دو صغیر کہاں تک وغا کریں
طاقت جواب دے تو افسوس کیا کریں

لے رن بولنے لگا۔ میدان گونجنے لگا۔ کھیت .. سخت کے ہونا۔ قتل و خون کا بازار گرم ہونا۔

اڈا ہوا ہے چار طرف لشکرِ شریر ڈوبے ہوئے ہیں خون میں دونوں مہ منیر
تیغوں سے چور چور ہے تن وقت ہے اخیر سینے فگار ہو گئے بھالے لگے ہیں تیر
شدت ہوئی جو ضعف کی مجبور ہو گئے
زخم اس قدر لگے کہ بدن چور[1] ہو گئے

گھوڑوں پہ جھومتے تھے دلاور ادھر ادھر تلواریں مارتے تھے ستمگر ادھر ادھر
بہتا تھا خون تنوں سے برابر ادھر ادھر پہلو پہ آ کے لگتے تھے خنجر ادھر ادھر
بھالوں پہ بھالے کھاتے تھے وہ جسم پاک پر
گھوڑوں سے جھوم جھوم کے گرتے تھے خاک پر

اسی سلسلہ میں یہ بند بہت دردناک ہیں۔

تاثیرِ بیان

گو موت اب قریب ہے لیکن ہیں با حواس جرأت کے معنی یہ ہیں کہ مطلق نہیں ہراس
سینوں کو پھونکے دیتی ہے سولہ پہر کی پیاس چاروں طرف کو تکتے ہیں دو نو پدر دو باس
برچھی کسی کی چھوٹے کے سینے پہ چل گئی
آئی اجل حیات کی صورت بدل گئی

پھر سر پہ بھی بڑے کے لگی تیغِ آبدار بس تھرتھرا کے گر پڑا گھوڑے سے شہسوار
چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی فوجِ نابکار ہاں کاٹ لو سروں کو یہ ہر سو ہوئی پکار

حضرت علی اکبر اس نظارے کی تاب نہ لا کر بھاگتے ہوئے امام عالیجاہ کے پاس پہنچتے ہیں۔ اور اُن کو اس المناک واقعہ کی اطلاع دیتے ہیں۔

---

[1] "چور چور ہونا" نڈھال ہونا۔

امام عالیجاہ دونوں بھانجوں کی لاشیں خیمے میں اٹھوا لاتے ہیں۔ ماں بیٹوں کو لباسِ شہادت میں ملبوس دیکھکر سجدہ شکرانہ ادا کرتی ہے۔

پڑھ کر نمازِ شکر اٹھی بنتِ مرتضیٰ ۔۔۔ پھر دونو ہاتھ اٹھا کے سوئے چرخ یہ کہا
اے ربِ پاک ذات ترے نام کے فدا ۔۔۔ میں شکر کس زباں سے کروں میرے کبریا
آگے نبی و فاطمہ کے سُرخ رو رہی
صدقے سے تیرے آج مری آبرو رہی

زینب کے پسر آتے ہیں میدانِ ستم میں ۔۔۔ ہے زلزلہ فوجِ عرب و روم و عجم میں
برپا ہے تلاطم حرمِ شاہِ اُمم میں ۔۔۔ صدمہ ہے بہت ماں کو بھی فرزندکے غم میں
حق شہ کی محبت کا ادا کرتی ہے زینب
دو بیٹوں کو بھائی پہ فدا کرتی ہے زینب

بہن کا ایثار

بیٹھی ہے مصلے پہ یداللہ کی پیاری ۔۔۔ ہے شکر کبھی اور کبھی گریہ وزاری
کہتی ہے بصد عجز کہ اے خالقِ باری ۔۔۔ صدقے ہے تیری راہ میں دولت مری ساری
محتاج کا ہدیہ[۱] ترے دربار میں پہنچے
یہ تیری امانت تری سرکار میں پہنچے

اتنے میں حضرات عون و محمد خیمے میں داخل ہوتے ہیں۔

---

[۱] یہاں ہدیہ اور امانت سے دونوں بیٹے عون و محمد مراد ہیں۔

پاؤں پہ گرے دوڑ کے ماں کے وہ دل افگار
پھر جوڑ کے ہاتھوں کو کیا دردِ دل اظہار
مرنے میں توقف تو ہوا ہم ہیں خطا وار
مجبور تھے مانع جو ہوئے سیّد ابرار

حضرت زینب دونوں صاحبزادوں کو کچھ ہدایات دے کر میدانِ جنگ کی طرف روانہ کرتی ہیں۔

ہدایاتِ جنگ

دیکھو یہ رہے یاد کہ دریا پہ نہ جانا
ہے پیاس کئی روز کی پر دھیان نہ لانا
ہر چند کہ آسان ہے پانی کا تو پانا
ہاتھ آئے تو پہلے علی اصغر کو پلانا
بند آنکھیں ہیں اور زیست سے[1] منہ موڑ رہا ہے
چہرے سے یہ ثابت ہے کہ دم توڑ رہا ہے

قربان ہو ماں دیر مناسب نہیں زنہار
میدان میں مبارز طلبی کرتے ہیں اشرار
یہ سنتے ہی دونوں ہوئے آمادۂ پیکار
رخصت ہوئے ایک ایک سے با دیدۂ خونبار
غل رونے کا خیمے میں اٹھا چار طرف سے
دو چاند نمودار ہوئے برجِ شرف سے

حاضر درِ دولت پہ ہوئے اسپ صبا دم
گھوڑوں پہ نظر کو بھی تھا تصویر کا عالم
مجرے کو جھکے ماموں کے دونوں جو بصد غم
رونے لگے چھاتی سے لگا کر شہِ عالم
رخصت کیا رو رو کے انہیں سبطِ نبی نے
اسوار کیا حضرتِ عبّاس علی نے

---

[1] "زیست سے منہ موڑنا" قریب الموت ہونا۔ [2] "دو چاند نمودار ہوئے برجِ شرف سے" دو چاند شرافت کے برج سے باہر آئے۔ حضرات عون و محمد کے نورانی چہروں کو چاند سے اور خیمۂ حرم کو برج سے تشبیہ دی ہے۔

انداز بیان

تسلیم بجالا کے جو راہوار اوٹھائے
اِک آن میں جوں برق وہ میدان میں آئے

تھی باد صبا شرم سے مُنہ اپنا چھپائے
صَرصَر نے بہت ڈھونڈھا نشاں اُنکے نہ پائے

خبر رسانی

رستے سے خبر لیکے چلا ایک خبردار
لشکر کے قریب آتے ہی اُسنے کہا اکبار

دو شبر چلے آتے ہیں باندھے ہوئے ہتھیار
اِک جعفرِ طیار ہے اک حیدرِ کرار

کچھ غم نہیں گو قتل کے میداں میں چلے ہیں
بگڑے ہوئے دو شیر نیستاں میں چلے ہیں

یہ خبر سنتے ہی لشکر میں تلاطم برپا ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے نامی پہلوان ہتھیار پھینک کر چل دیتے ہیں۔ اِسکے بعد حضرات عون و محمد کی سواری کا بیان ہے۔

شان اپنے بزرگوں کی دکھاتے ہوئے آئے
رہواروں کو کاوے[1] پہ لگاتے ہوئے آئے

ہر مورچے سے آنکھ ملاتے ہوئے آئے
دریا سے مگر مُنہ کو پھراتے ہوئے آئے

جوماں نے کہا ہے یہ وہی کام کریں گے
پیاسے ہیں کئی روز کے پیاسے ہی مریں گے

لشکر کے قریب آکر بڑا بھائی چھوٹے سے کہتا ہے۔

مرقع نگاری

دیکھو وہ پرے باندھے ہیں لشکر کے نمودار
رومی وہ پہلواں[2] ہیں جو ہیں جنگ پہ تیار

---

[1] "کاوے پہ لگانا" چکر دینا [2] پہلوان کی "ہ" متحرک ہے۔ اب یہ متروک ہے "ہ" اور "ل" دونوں کو ساکن ہو جاتا ہے۔

یہ مورچے ہیں زنگ کے وہ زرک گے اسوا | یہ رے کے رسالے ہیں وہ ہیں شام کے شرر

برچھیت کمر باندھے وہ تیار کھڑے ہیں
وہ پیدلوں کے غول وہ اسوار کھڑے ہیں

پھر کہتے ہیں :۔

اک دم میں ہٹا دیں یہ سوار دونکی قطاریں | زخمی ہوں کہ مرجائیں یہ ہمت تو نہ ہاریں

اُدھر خیمہ میں حضرت زینب فضہ سے کہتی ہیں۔

جا دیکھ تو کیا کرتے ہیں عباس دلاور | کہنا کہ بلاتی ہیں تمہیں دختر حیدر

اکبر سے نہ کچھ سید ابرار سے کہنا | پیغام مرا بھائی علمدار سے کہنا

اسی سلسلہ بیان میں لکھتے ہیں۔

فضہ گئی اور لے کے علمدار کو آئی | زینب نے کہا آؤ میں صدقے گئی بھائی

بیٹھے جو علمدار تو یہ بات سنائی | موقوف ہے اسوقت کہ ہوتی ہو لڑائی

نے شور و غا کا ہے نہ کچھ دھوم ہے بھائی
کچھ حال مرے بیٹوں کا معلوم ہے بھائی

عباس علی تم سے میں کہتی ہوں بتکرار | اور دیتی ہوں تم کو قسم حیدر کرار

جس طرح لڑیں فوج سے وہ دونوں مرے دلدار | سب حال بیان کیجئے بھائی علمدار

مشتاق لڑائی کے سدا رہتے تھے دونوں
کھل جائیگا اب[1] حال جو کچھ کہتے تھے دونوں

یہ ذکر تھا جو خیمے میں آئے علی اکبرؑ | عباس سے کہنے لگے ہمشکل پیمبر[2]

---

[1] کھل جانا ۔ ظاہر ہونا ۔ [2] ہمشکل پیمبر ۔ مراد حضرت علی اکبر

چلئے کہ بلاتے ہیں وہاں آپ کو سرور
دیکھیں تو ذرا آپ کہ یہ لڑتے ہیں کیونکر
پڑھ پڑھ کے رجز فوج ستمگر پہ چلے ہیں
اب کھینچ کے وہ نیمچے لشکر پہ چلے ہیں

عباس علمدار اُٹھے ٹیک کے شمشیر
پھر دونوں جواں آئے قریب شہِ دلگیر
بھائی سے یہ تب کہنے لگے حضرت شبیر
افسوس کہ لٹتی ہے بہن کیا کروں تدبیر
یہ داغ وہ ہے جس سے گذر جائیگی زینب
فرزندوں کے مرجانے سے مرجائیگی زینب

ناگاہ اٹھا شور میانِ صفِ اشرار
حیدر کے نواسے بھی ہوئے جنگ پہ تیار
بھائی سے یہ بھائی نے کہا ہنسکے تب اکبار
ہر سمت سے ہشیار خبردار خبردار
دیکھو نہ اماں دیجو کسی بانی شر کو
میں جاتا ہوں اس سمت کو تم جاؤ ادھر کو

گر گھیر لیں اعدا تو نہ گھبرائیو بھائی
ریلے ہوئے اعدا کو چلے جائیو بھائی
سر تن پہ نہ اُس کے ہو جسے پائیو بھائی
لشکر کو بھگا کر مرے پاس آئیو بھائی
مرتے ہوئے بھی مجھ کو رہے یاد تمہاری
تم میری مدد میں کروں امداد تمہاری

یہ کہتے ہی اُن شیروں نے شبدیز اٹھائے
اس سمت کو یہ پہنچے وہ اس سمت کو آئے
حیراں ہوئی سب فوج بھی جو ہر وہ دکھائے
صف اُسنے جو اُلٹی تو پرے اس نے ہٹائے
زندہ کسی سرکش کو نہ وہ چھوڑ کے نکلے
دو نیمچے ایک ایک کا دم توڑ کے نکلے

کیا مونہہ تھا کسی کا جو کوئی وار کو روکے
جو رنگ ہو گر ڈھال پہ تلوار کو روکے
جل جائے اگر تیغ شہریار کو روکے
بجلی کو جو روکا ہو تو رہوار کو روکے
مانند چھلاوہ کبھی یاں ہے کبھی واں ہے
لشکر میں تو پھرتا ہے یہ نظروں سے نہاں ہے

انداز بیاں

اور عون کی تلوار کا انداز جُدا ہے
گرنے میں غو بجلی ہے تو چلنے میں ہوا ہے
ہر غول کا میدان میں ستھراؤ کیا ہے
تھراتی ہے خود موت کہ آفت ہی بلا ہے
کیا دبدبہ ہے شیر کو ٹوکا نہیں جاتا
اس تیغ کا اک وار بھی روکا نہیں جاتا

رزمیہ

تلوار کھینچی جس کی جھپٹ کر اُسے مارا
جو بھاگ چلا گھوڑا ڈپٹ کر اُسے مارا
آگے جو بڑھا پیچھے کو ہٹ کر اُسے مارا
آیا جو پس پشت پلٹ کر اُسے مارا
جو رنگ کیا فوج کو تلواروں کے مارے
بجلی کبھی چمکی کبھی اُڑتے تھے شرارے
آئے تھے عدو لڑنے کو جاں ہاتھوں سے دھو کے
فوجیں ہیں کہ موجیں کسی ٹوکے کسے روکے
لشکر سے لڑے یا کہ پہلوانوں کو ٹوکے
ہر غول کو تلوار بھی دی جاتی ہے دھو کے
واں لاشوں سے میدان و غایاٹ رہی ہے
چمکی تو یہاں اور وہاں سر کاٹ رہی ہے

برشِ شمشیر

روکا بھی ذرا وار کسی نے جو سپر پر — یہ کاٹ کے مغفر کو گئی کاسۂ سر پر
اتری جو گلے سے تو چلی واں سے جگر پر — در کھول کے سینے کا اتر آئی کمر پر
منہ خود و زرہ سے نہ کبھی موڑ کے نکلی
چار آئینے شیشوں کی طرح توڑ کے نکلی

تھے مثلِ بلا حملہ کناں دونوں دلاور — باراں کی طرح تیغیں برستی تھیں برابر
انڈا چلا آتا تھا ہر اک سمت سے لشکر — یہ مورچہ مسمار وہ چورنگ یہ ابتر
سب فوج سے ہمت کی عناں چھوٹ گئی تھی
کیا لڑتے کہ لشکر کی کمر ٹوٹ گئی تھی

اکبارگی لشکر میں قیامت ہوئی برپا — تھرتھری[1] ہر اک صف تو ہر اک غول تھا پسپا
رخ اس نے کیا شام کا وہ کوفے کو بھاگا — لاشوں کا یہ انبار تھا ملتا نہ تھا رستا
ہتھیاروں کے پشتے[2] جو ہر اک جا پہ لگے تھے
چار آئینہ سب فوج کا منہ دیکھ رہے تھے

جب سامنے سے بھاگ گیا لشکرِ اعدا — تب مڑ کے ادھر اور ادھر فوج کو دیکھا
آیا نہ نظر کوئی تو پھر باگ کو موڑا — بھائی کے قریب آن کے یہ بھائی پکارا
بیتاب ہے دل سینے سے لگ جائیے بھائی
کیا قصد ہے اب آپ کا فرمائیے بھائی

۱؎ تھرتھری - پریشانی ۲؎ پشتے لگنا - ڈھیر لگ جانا

دادِ شجاعت

بولا یہ بڑا چھوٹے کو سینے سے لگا کر
واللہ بہت خوب لڑے ای مرے صفدر

دو حملوں میں تم نے تہ و بالا کیا لشکر
دکھلا دئے نانا کی طرح تیغ کے جوہر

حمزہ کی طرح اے مرے محبوب لڑے تم

واللہ بہت خوب بہت خوب لڑے تم

حیران تھا میں دیکھ کے یہ فوج کا ریلا
کچھ بن نہ پڑا اگرچہ ہر اک جان پہ کھیلا

لڑ سکتا ہی بھائی کوئی لاکھوں سے اکیلا
شاباش ہی شاباش بڑا معرکہ جھیلا

کہئے نہ اسے جنگ یہ اعجاز تھا بھائی

حیدر کی لڑائی کا یہ انداز تھا بھائی

اتنے میں ادھر جمع ہوئی ساری خدائی
ڈنکے پہ لگی چوٹ صدا باجوں کی آئی

چھوٹے کو بڑے بھائی نے یہ بات سنائی
برپا ہے وہ خیمہ عمر سعد کا بھائی

فوج ستم آرا سے نہ ہم جنگ کرینگے

پہلے عمر سعد کو چورنگ کرینگے

یہ کہتے ہی اُن غازیوں کے گھوڑے اڑائے
خیمے پہ جا پہنچے تو وہ فوج میں آگئے

تلوار چلی ایسی کہ سب خون میں نہائے
سر کٹنے لگے وار بھی رد کرنے نہ پائے

ڈیوڑھی کے نگہبان عازم بیکار ہوئے۔ مگر منہ کی کھائی۔ آخر منتشر ہوگئے۔

ے ریلا ہجوم کی کشاکش ے بن پڑنا۔ ہوسکنا۔

اک بار کیا فوج نے خیمے سے کنارا
اور پھینک کے ہتھیاروں کو بھاگے ستم آرا
چھوٹے نے بڑے بھائی کو اس وقت پکارا
جلدی کہو بھائی عمر سعد کو مارا
زندہ ہے کہ بے سر کیا ارشاد تو کیجے
صدقے یہ غلام آپ پہ دل شاد تو کیجے

کہنے لگا اسوقت برادر سے برادر
کیا تم سے کہیں بھائی کہ بگڑا ہے مقدر
میں صحن میں پہنچا تو وہ تھا تخت کے اوپر
دیکھا جو مجھے اس نے تو بھاگا وہ ستمگر
گو ہم پہ ہر اک سمت سے اسوار جھکے تھے
وہ بھاگ نہ جاتا تو اُسے مار چکے تھے

پھر دونوں فوج پر حملہ آور ہوئے۔ مگر اس دفعہ خود زخمی ہو جاتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

نازک حالت

وہ وقت زوال اور وہ گرمی کا مہینا
ہر موئے تن جسم سے بہتا تھا پسینا
آ پہنچی اجل سامنے دشوار ہے جینا
مجروح ہوا تیروں سے ہر ایک کا سینا
اب پیاس سے اور جنگ سے مجبور ہوئے ہیں
ایسے وہ لڑے ہیں کہ بدن چور ہوئے ہیں

ہر زخم سے ہوتی ہیں رواں خون کی دھاریں
ہے ضعف کی شدت کسی تو کیں کسے ماریں
شایاں نہیں جرأت کا مدد کو جو پکاریں
دل کہتا ہے مر جائیں پہ ہمت کو نہ ہاریں
کچھ بس نہیں چلتا ہے تو گھبراتے ہیں دونوں
اللہ غنی کہکے سنبھل جاتے ہیں دونوں

تیغہ کسی جلاد نے چھوٹے کو جو مارا گھوڑے سے گرا خاک پہ وہ عرش کا مارا
اس وقت بڑے کو نہ رہا ضبط کا یارا فرمایا کہ اللہ نگہبان تمہارا
ہم بھی ابھی آتے ہیں نہ گھبرائیو بھائی
دروازہ جنت پہ ٹھہر جائیو بھائی

بھائی بھائی سے یہ تقریر کر رہا تھا کہ ایک شقی القلب نے اُسے بھی مجروح کر دیا۔ امام عالیمقام میدان کارزار میں پہنچکر کیا دیکھتے ہیں کہ

گھیرے ہوئے لاشوں کو پہلوان کھڑے ہیں
دو شیر کے بچے ہیں کہ جنگل میں پڑے ہیں

آپ لاشیں اٹھوا کر خیمے میں لے آتے ہیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں:۔

فضہ نے اُٹھایا در خیمہ کا جو پردا لاشے لئے خیمے میں گئے سید والا
رونے کا ہوا شور قیامت ہوئی برپا زینب نے ادھر رو کے کیا شکر کا سجدا
سب بیبیاں زینب کو وہاں گھیر کے بیٹھیں
پر بنت علی لاشوں سے منہ پھیر کے بیٹھیں

یہ حال تھا جو آئے وہاں حضرت شبیر زینب کے قریب آکے یہ بولے شہ دلگیر
یہ کس کا گلہ کرتی ہو بتلاؤ تو ہمشیر فرمائیے بیٹوں سے ہوئی کون سی تقصیر
جانوں کو جوان دونوں نے قربان کیا ہے
شرمندہ ہوں میں تم سے وہ احسان کیا ہے

پھر اسی سلسلہ میں

زینب سے یہ فرمانے لگے سید ابرار خاطر سے میں کہتا نہیں اے خواہر غمخوار
ڈھونڈو تو جہاں میں نہ ملیں ایسے وفادار ماموں پہ تصدق ہوں یہی وصیان تھا ہر بار

میں روکتا تھا انکو تو رک جاتے تھے دونوں
ہر بار میرے قدموں پہ جھک جاتے تھے دونوں

سائے کی طرح ساتھ رہے میرے یہ دلدار تھے صبح سے دونوں یہ شہادت کے طلبگار
میں روکتا تھا ان کو یہ تھے مرنے پہ تیار کیا اسمیں خطا انکی ہی اے خواہر غمخوار
اب آگے نہ کچھ بیکس و بے آس سے پوچھو
موجود تو ہیں سامنے عباس سے پوچھو

گھوڑوں کو اڑا کر ادھر آئے ادھر آئے ہر صف کو مٹا کر ادھر آئے ادھر آئے
سر تن سے گرا کر ادھر آئے ادھر آئے چو رنگ لگا کر ادھر آئے ادھر آئے
جو بھاگ گیا پھر نہ اسے روک کے مارا
جو فوج میں نامی تھے انہیں ٹوک کے مارا

زور بیان

یاں عون نے لشکر تہ و بالا کیا سارا پہچان گیا اس کو اسے ٹوکا اسے مارا
اس شیر کی تھی تیغ کہ آتش کا شرارا سایہ بھی پڑا جس پہ بدن ہو گیا پارا
چار آئینہ کو کاٹ کے منہ موڑ کے نکلی
تھا شور کہ شیشے کو پری توڑ کے نکلی

کس منہ سے بیاں میں کروں چھوٹے کی لڑائی پامال پرے کر دئے جب باگ اٹھائی
نیزہ اسے مارا اسے تلوار لگائی سینہ تھا نہ گردن تھی نہ شانہ نہ کلائی
جس سر پہ پڑی تیغ وہ بیدم نظر آیا
مر کر جو کھلی آنکھ جہنم نظر آیا

پھر ارشاد کیا:۔

دیکھی نہ سنی دونوں نے جرات وہ دکھائی کائی سی پھٹی فوج جدھر باگ اُٹھائی

تر بھر تھیں صفیں چار طرف کو تھی دہائی بھائی سے مگر بھائی یہ کہتا تھا کہ بھائی

گھوڑوں کی عناں مثل علی پھیر کے مارو

یہ جانیں نہ پائیں انہیں اب گھیر کے مارو

یہ سُنکے اوٹھی واں سے یداللہ کی پیاری پھر شکر کے سجدے کئے جھک کر گئی واری

تب لاشوں کے پاس آن کے رو کر یہ پکاری تعظیم کو اُٹھو کہ یہاں آئی ہے واری

جس کام کو میں نے کہا وہ کام کیا ہے

اس سن میں ہزاروں سے لڑ کے نام کیا ہے

تاثیر بیاں

ان چاند سے چہروں پہ یہاں ہو گئی واری افسوس کہ اس سن میں اجل آئی تمہاری

یہ پھول سے تن اُن پہ لگیں زخم یہ کاری لوٹی گئی پردیس میں دولت میری ساری

ایک ایک ہے دشمن ستم ایجاد ہمارا

تم مر گئے گھر ہو گیا برباد ہمارا

سلہ

زینب پاک کی آغوش کے پالے آئے دونوں کس شان سے ہتھیار سنبھالے آئے
دیکھکر ان کو سواروں کے رسالے آئے گھوڑے چمکاتے ہوئے برچھیوں والے آئے
جا پڑے شیر چمکتی ہوئی تلواروں میں
گھر گئے دونوں جری لاکھ ستمگاروں میں

ناگہاں اینہہ برسنے لگے ہر سمت سے تیر اور چمکنے لگی ہر ایک لعین کی شمشیر
گھر گئے شام کے بادل میں وہ جب ماہ منیر چھوٹے سے کرنے لگے عون جری یہ تقریر
زخم شمشیر و تبر جسم پہ سہنا بھائی
سائے کی طرح مگر ساتھ ہی رہنا بھائی

کہیں ایسا نہ ہو ہم ہوں کہیں اور تم ہو کہیں یوں اگر مارے بھی جائینگے تو کچھ لطف نہیں
ایک ہی جا پہ گریں گھوڑوں سے بر روئے زمیں ہے یہ لازم کہ دم مرگ بھی ہم تم ہوں قریں
کہکے یہ دونوں نے رانوں میں دبائے گھوڑے
تیر کی طرح سے اعدا میں در آئے گھوڑے

بقول مرثیہ نگار دونوں بھائیوں نے وہ وہ مردانگی کے جوہر دکھائے کہ رن بول اٹھا۔ چاروں طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ لڑائی کا رنگ دفعتہً تبدیل ہوتے دیکھ کر فوج میں بھاگڑ پڑ گئی۔ صفوف شام تتر بتر ہو گئیں۔ ہاں خبردار کا غل آسماں تک پہنچتا تھا۔ بھاگتے ہوئے سپاہیوں کے گھوڑوں کے پاؤں سے زمین کے کلیجے میں ناسور پیدا ہو گئے۔ ظفرمند شہزادے یہ سین دیکھتے تھے۔ اور زیر لب مسکرا رہے تھے۔

پاس آ آ کے لگانے لگے نیزے اسوار برسی ہر سمت سے اُن پیاسوں کی اوپر تلوار
برچھیاں پڑتی تھیں اور تیروں کی بھی تھی بوچھار آ گئے فوج کے نرغے میں وہ سینہ افگار

سر بسر ڈوب گئے خون میں جامے اُن کے
رُخ پہ سہرے ہوئے کٹ کٹ کے عمامے اُن کے

دفعتہً فوج غنیم سے نعرہ شادمانی بلند ہوتا ہے حضرت عباس امام عالیجاہ کو بچوں کی نازک حالت دکھا کر کہتے ہیں :-

ٹکڑے ٹکڑے ہیں بدن زخم بہت کھائے ہیں
پاؤں دونوں کے رکابوں سے نکل آئے ہیں

حضرات عون و محمد بیہوش ہو کر گھوڑوں سے گر پڑتے ہیں۔ امام بھانجوں کو اٹھانے کے لئے خیمہ سے جانا چاہتے ہیں۔ ہمدرد بہن بھائی کو میدانِ جنگ میں جانے سے روکتی ہے۔ مگر آپ تقاضائے محبت سے مجبور ہیں۔ آپ کے پیہم اصرار پر

کہا زینب نے اس الفت پہ یہ خواہر قربان ایسے سو بیٹے ہوں حضرت کے قدم پر قربان
شکر حق ہو گئے دونوں مرے دلبر قربان بھائی تم پر مری اولاد مرا گھر قربان

کچھ بھی پروا نہیں بیٹے تھے وہ ہرچند مرے
صدقے زہرا کے جگر بند پہ دلبند مرے

امام عالیجاہ شہید بھانجوں کے پاس پہنچتے ہیں۔ اس وقت آپ کی بیتابی کا نقشہ مرثیہ نگار نے اس طرح کھینچا ہے۔

دریائے فرات آنکھوں کے سامنے لہریں لے رہا تھا۔ موجیں اٹھ اٹھ کر تشنگی کو دوبالا کر رہی تھیں۔ رحمت سیال کو اس طرح روبرو دیکھ کر چھوٹے کو ضبط دشوار ہو گیا۔ چنانچہ بڑے بھائی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

محاکات

آگ سی بھڑکی ہے جلتا ہے کلیجا بھائی　　جسم میں لڑنے کی طاقت نہیں اصلا بھائی
شانے بھی رہ گئے دکھنے لگا پہنچا بھائی　　اہل کیں دور ہیں نزدیک ہے دریا بھائی
پانی پینے کا تو حاشا کہیں دھیان آجائے
ہاتھ منہ دھولیں ذرا چل کے تو جان آجائے

بڑے بھائی نے جواب دیا کہ ایسی حالت میں کہ امام عالی مقام اور اہل حرم پیاس سے بیتاب ہیں۔ فرات کی طرف منہ کرنا بھی حرام ہے۔ شاید تمہیں والدۂ محترمہ کی آخری نصیحت یاد نہیں رہی۔ جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو اب ہماری اور ہمارے بزرگوں کی آبرو اسی میں ہے کہ جواں مردو پیارے سپاہیوں کی طرح لڑ کر جان دیدیں۔

سنکے یہ چھوٹے نے حملہ کیا پھر صورت شیر　　جس جگہ مورچے تھے کر دیا واں لاشوں کا ڈھیر
شدت تشنہ لبی آنکھوں میں عالم تھا اندھیر　　سر بسر جسم پہ تھے زخم سنان و شمشیر
بحر خون پیاسوں کے زخموں سے بہا جاتا تھا
ضعف ہوتا تھا سوا زور گھٹا جاتا تھا

محاکات

لپیٹے معصوموں کی لاشوں سے امام دوجہاں کہا ای بھانجو شبیر ہو تجھ پہ قرباں
ہائے کن آنکھوں سی دیکھوں تمہیں خون میں غلطاں ہم تو جیتے ہیں ابھی اور چلے تم سوئے جناں

منہ کو آتا ہے کلیجہ میرا کچھ بات کرو
اٹھو اب آخری ماموں سے ملاقات کرو

یہ بیاں کر کے اُٹھے روتے ہوئے شاہِ اُمم ڈال کر گھوڑوں پہ لاشوں کو چلے با صد غم
پہنچے نزدیک سراپردہ جو گردن گئے خم دیکھا روتے ہیں کھڑے در پہ سبھی اہل حرم

حضرت علی اکبر دوڑ کر خیمے کا پردہ اٹھاتے ہیں۔ امام عالی مقام لاشوں کو لئے گھر میں داخل ہوئے۔ جوانمرگ بیٹوں کی لاشیں دیکھ کر حضرت زینب کی حالت متغیر ہو گئی۔

غمزدہ بیٹوں کی لاشوں پہ گری با دلِ زار خون بھرے چہروں کی لیں رو کے بلائیں کئی بار
دیکھا اُن چاند سے سینوں کو جو تیروں سی فگار مُنہ پہ مُنہ مل کے کہا تم پہ یہ مادر ہو نثار

زلفیں لپٹی ہوئی ہیں چاند سے رخساروں سے
ہائے یہ گل سے بدن ٹکڑے ہیں تلواروں سے

حضرت اوج

زہے معاون و انصارِ سرورِ اکرم — یہ سچ ہے تھے وہ بہت[1] پہ کم سے کم
مگر دلیری و جرأت کا تھا عجب عالم — کہ اُن کے رعب سے لشکر تھا درہم و برہم
محال سمجھے تھے ضیغم دلوں کے ٹوکنے کو
جبھی تو جمع ہزاروں ہوئے تھے روکنے کو

مناقب رُفقائے حسینی

زہے کریم کرامت تھی سربسر جن سے — زہے جلیل جلالت تھی مفتخر جن سے
زہے شریف شرافت تھی اوج پر جن سے — زہے شجاع شجاعت تھی نامور جن سے
یہ وہ جری تھے کہ جرأت تھی مستتر جن میں
ہزارہا کے برابر تھا ایک اک[2] ان میں

انداز بیان

وہ منکسر کہ تواضع تھی سرفراز اُن سے — وہ متقی کہ عبادت کو فخر و ناز ان سے
وہ ذی کرم کہ سخاوت کو خود نیاز اُن سے — وہ شیر دل کہ دلیری کو امتیاز ان سے
جمائے معرکہ میں پائے مستقل اپنے
وہ جاں نثار پہن لیں زرہ پہ دل اپنے

---

[1] یعنی فوجِ مخالف [2] یعنی رفقائے حسینی

تشبیہ و اندازِ بیان

عجیب شان سے استادہ تھے حبیبِ اسلام — کہ رعشہ رعب سے جھک جھک کے چومتا تھا قدم
دکھا رہی تھی ضعیفی شباب کا عالم — سنا ہی پشتِ مبارک تھی بارِ ضعف سے خم

مگر تھا رابطۂ جرأت سے جسم و جاں کی طرح
پئے وغا ہمہ تن لبیس تھے کماں کی طرح

بڑھاپے میں جوشِ شجاعت و استقلال

پکڑ کے ہاتھ سے ریش سفید وہ صفدر — مخاطب اپنے رفیقوں سے تھا اٹھا کے نظر
تم اپنے میسرہ سے ہوشیار رہنا مگر — دم وغا وہ دکھانا سپہ گری کے ہنر

نہ بڑھنے پائے ادھر فوج بدسگالوں کی
تمہارے ہاتھ ہے شرم ان سفید بالوں کی

دلاوری سے ہویدا کہ حکم گر پائیں — تو مشکیں باندھ کے شمر و عمر کو لے آئیں
بہادری سے یہ پیدا جو نہر پر جائیں — تو ہاتھوں ہاتھ اُسے تیغوں سے کاٹ کر لائیں

یہ آرزوئے اجل تھی بلند ناموں کو
عزیزوں پر سبقت ہوئے ہم غلاموں کو

عزیز حق سے تھے عزیزانِ فدیہ قیوم — ازل سے مہر و وفا کا تھا ان کے ساتھ لزوم
ہزار جان سے تھے گرد سرورِ مظلوم — ہو ایک پھول پہ جس طرح بلبلوں کا ہجوم

کیا تھا دین کو روشن ہر ایک یکتا نے
چراغ ایک تھا چاروں طرف تھے پروانے

دل اپنے جانِ نبی پر دئے ہوئے سب تھے ۔۔۔ رحیقِ معرفتِ حق پیے ہوئے سب تھے
قبالے خلدِ بریں کے لئے ہوئے سب تھے ۔۔۔ پہ[1] ساتویں سے یہ زینت کئے ہوئے سب تھے
کھلے جو موت کا دفتر وفا شعاروں میں
سرے پہ نام ہمارے ہوں جاں نثاروں میں

لطافتِ ادا

یہ ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا ہنس ہنس کر ۔۔۔ وہ جھمجھاتے ہیں فردوس کے طلائی در
وہ دیکھو سامنے لیتا ہے کروٹیں کوثر ۔۔۔ چھلک رہے ہیں وہ تسنیمِ خلد کے ساغر
نگاہِ شوق مذاقِ طلب بڑھاتی ہے
اس آبِ سرد کی خنکی یہاں تک آتی ہے

اندازِ بیاں

کس ارتفاعِ مدارج پہ ہیں قصورِ جناں ۔۔۔ کہ جن کے سامنے ہے پست گنبدِ گرداں
دریچے بوقلموں ہیں کہ قدرتِ سبحاں ۔۔۔ عجیب شان سے غلماں ہیں رونقِ ایواں
نقابِ نورِ رخِ ضوفگن پہ ڈالے ہیں
وہ حورِ عین ہیں دریچوں سے منہ نکالے ہیں
بہار پہ ہے جوانانِ باغ کا جوبن ۔۔۔ وہ گورے گورے بدن سرخ سرخ پیراہن
عیاں ہے جامہ سے اس طرح انکا رنگِ بدن ۔۔۔ کہ جیسے دھوپ میں آئینے ہوں عکس فگن
ادا و ناز سے ہمراہ ہیں ندیمِ چمن
روش پہ چلتے ہیں یوں جس طرح نسیمِ چمن

---

[1] پہ بجائے مگر

رنگینیٔ بیان

جبین و ابرو و رخسار ضوفشاں دیکھو کرشمے چشم فسوں ساز کے عیاں دیکھو
ادائیں سینکڑوں ہر ناز میں نہاں دیکھو حیا و شرم کے پردے میں شوخیاں دیکھو

دیا ہے گیسوؤں نے پیچ و تاب سنبل کو
دہن نے غنچوں کو بو رُخ نے تازگی گل کو

منظرِ باغ

گتھی ہوئی ہیں بہم ڈالیاں شجر گنجان ہزارہا شجر و گل ہیں مختلف الوان
طیور شاخوں پہ خوش وضع اور خوش الحان سُنا رہے ہیں ہمیں کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ

ہوں بے نوا بھی فرحناک وہ نوائیں ہیں
ملائم اور خوش آیند کیا صدائیں ہیں

طائرانِ بہشت کی تعریف ایک بیت میں یوں کرتے ہیں:-

وہ اُن کی زمزمہ پردازیاں وہ چہکاریں
وہ سبز سبز پر اور سُرخ سُرخ منقاریں

طرب فزا ہے ریاضِ جناں کی طیاری بچھا ہے صحن میں سبزے کا فرش زنگاری
گلوں نے شاخوں سے کی گر کے جبہہ گلکاری گھنے درختوں کے سائے میں نہریں ہیں جاری

مذاق کے لب جو راستے نکلتے ہیں
گھنیری چھاؤں میں اہل جناں ٹہلتے ہیں

وہ پر فضا ہے ریاضِ بہشت صلّ علیٰ کہ جیسے کوچہ محبوب ہو طرب افزا
نہال ہیں ثمر و گل سے نخل سر تا پا خوشی سے جھومتے ہیں جیسے مست ناز و ادا

ہر اک شجر سے ہیں نزہت کی خوبیاں پیدا
تو سبز شاخوں سے رحمت کے ہیں نشاں پیدا

بہم ہے سیب سے یوں سیب اور رطب سے رطب — کہ جیسے عاشق و معشوق ہوئیں لب بر لب
ہر اک شجر سے عیاں ہے بہار قدرت رب — ثمر تو ایک یہ دل خواہ ذائقہ ہیں سب

عجب درخت عجائب ثمر جناں کو ملے
جو دل میں آئے وہی ذائقے زباں کو ملے

ازل سے بسکہ ہے دار السرور نام جناں — مرض کا خوف نہ بیم اجل نہ کاہش جاں
سوا خوشی کے نہیں رنج و غم کا نام و نشاں — بجز سکوں نہیں پروائے گردشِ دوراں

کوئی قلق کوئی صدمہ وہاں نہیں ہوتا
کہ اس زمیں پہ یہ آسماں نہیں ہوتا

بقول مرثیہ نگار جوانانِ حسینی آپس میں متذکرہ بالا گفتگو کرنے کے بعد اس طرح اظہارِ شوق کرتے ہیں۔ کہ کہیں جلد جام شہادت پیکر ہم لوگ داخل فردوس ہوں۔ اسی سلسلۂ بیان میں رسول کریم صلعم اور اہل بیت کا ذکر آگیا ہے۔ علمبرداری کے شوق میں حضرت عباس اور فرزندانِ حضرت زینب کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں۔

عَلَم کے لینے کے آپس میں چرچے کب سے ہیں
وہ جان دینے پہ تیار اسی سبب سے ہیں

بند ۹ سے ۱۳ تک محض شعری خصوصیات کی بنا پر رکھ لئے ہیں۔ ورنہ کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اسلئے کہ بالفرض اگر یہ واقعات کوئی حقیقت بھی رکھتے ہوں لیکن



مرزا اوج لکھنوی

ان کی وجہ سے جذبۂ ایثار و قربانی کا خلوص کسی قدر کم ہو جاتا ہے۔

مجاہدین میں باہم یہ تذکرے تھے یہاں — حرم سرا میں حرم کو تھا شغل آہ و فغاں
سنوار کر علم بادشاہِ کون و مکان — کھڑی تھی صحن میں خیمہ کے زینبِ ذیشاں

علم کے سایے میں تھے ماں کے لاڈلے دونوں
خموش آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے دونوں

کہا کہاں علی اکبرؓ بحکمِ شاہِ اُمم — محل میں آئے علم لینے کو برنج و الم
بلائیں لے کے پھوپھی نے دیا وہ نخلِ ارم — چلے تو بن گیا وہ نخل نخلۂ ماتم

یقین ہوا کہ لڑائی ٹھہر گئی ہے ہے
حرم سرا میں قیامت گذر گئی ہے ہے

ادھر تو فضہ نے بڑھ کر اٹھایا پردۂ در — ادھر سے بہر زیارت بڑھے سب اہلِ نظر
جو برج خیمہ سے نکلے وہ نیر اکبرؓ — محمدؑ اس طرف اس سمت عونؑ خوش اختر

تھے راس و جیب علی اکبر کے سر جھکائے ہوئے
یہ ٹیکا تھامے ہوئے وہ علم اٹھائے ہوئے

خوشا نشان وزہے شانِ ہمجمال نبی — پکارے متفق اللفظ یوں جوان و صبی
وہ لائے خود علم اپنا محمدؐ عربی — درود پڑھنے لگے ہاشمی و مطلبی

یہ جلوے دھوپ میں پنجے کے عکس سے دیکھے
زمین پہ سینکڑوں خورشید لوٹتے دیکھے

بقول مرثیہ نگار حضرات عون و محمد موجودہ علم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے دادا کا ذکر کرتے ہیں مقصد یہ ہے۔ کہ یہ وہی علم ہے جو گذشتہ معرکوں میں ہمارے

دادا کے پاس رہ چکا ہے اسی سلسلہ میں کہتے ہیں

نہ وہ رہے نہ رہا لشکرِ زبوں باقی
پر اب تلک ہے پھریری میں یوں خوں باقی

بڑھے یہ کہتے ہوئے دونوں وارث جعفر گیا حضوریِ سرور میں وہ نشانِ ظفر
پکارا عون و محمد کو ماں نے گھبرا کر حرم سرا کو چلے جھومتے ہوئے صفدر
ہوائے شوق بڑھاتا تھا پرچم اڑ اڑ کے
علم کو دیکھتے جاتے تھے دونوں مڑ مڑ کے

ہوئے جو داخل عصمت سرا وہ ماہ لقا بلائیں لے کے کہا ماں نے میں نثار گیا
میں سن رہی تھی خلافِ ادب جو تم نے اب کہا یہ خوب جان لو مختار ہیں امامِ ہدا
وہ جس کو دیں علمِ مصطفےٰ مناسب ہے
جو انہیں دے کوئی اب دخل نامناسب ہے

ضرور بھائی کی شفقت ہے مجھ پہ حد سے فزوں مگر کہاں یہ مرا منہ کہ میں کچھ ان سے کہوں
جسارتوں سے تمہاری کمال حیراں ہوں یہاں تو چپ رہے سب میں جواب تم کو دوں
یہ عہدہ ارث نہیں ہے کہ تم کو حاصل ہو
جو مثل جعفر طیار ہو وہ حامل ہو

ہے قابل ایسے دلاور کے مصطفےٰ کا علم جو اپنے خون میں ہو غرق سر سے تا بقدم
سنان کو سینے پہ روکے تو سر پہ تیغ دو دم بہادروں نے کہا ایسے کیا نہیں ہیں ہم
اجل کا خوف ہزبر وغا نہیں کرتے
جو رن میں چڑھتے ہیں جاں باز کیا نہیں کرتے

اسی پہ حصر ہے تو خیر امتحاں ہو جائیں
ابھی دلیر لبِ نہر اپنے خوں میں نہائیں
بس اب زبان مبارک سے آپ فرمائیں
نہ دودھ بخشے اگر برچھیاں ، سینے پہ کھائیں
سنان و تیغ سے ان میں ادھر ادھر کھیلیں
بقول آپ کے بچے ہیں جان پر کھیلیں

حضرت زینب بچوں کو سمجھاتی ہیں کہ علم کے لئے اصرار نہ کرو لیکن منصب شہادت حاصل کرنیکی سب سے پہلے تمہیں کوشش کرو۔ اسی سلسلہ بیان میں فرماتی ہیں

کہا یہ ماں نے سفارش کا تو نہیں مقدور
پر ہاں میں عرض کرونگی امام دیں کے حضور
وہ مان لیں تو نہیں ان کی پرورش سے دور
پر ایک شرط ہے اسمیں جو تم کرو منظور
اگر حضور سے رخصت تمہیں عنایت ہو
تو کنبے میں کہیں حاصل نہ مجھ کو خفت ہو

وہ بات کچھ نہیں دل کا ہے اک فقط وسواس
تمہارے بچپنے سے ہے کمال مجھ کو ہراس
یہ مانتی ہوں کہ ہے تین دن سے تم کو پیاس
نہ جائیو کہیں بھولے سے بھی فرات کے پاس
لحاظ امت عاصی دم جہاد رہے
ہیں واری اصغر ناداں کی پیاس یاد رہے

زبان خشک چبا کر دلیروں نے یہ کہا
حضور کو ہیں ہماری طرف گماں کیا کیا
ممانعت ہو تو پانی پئیں نہ کوثر کا
جو آپ ہیں ہر وفا خادموں میں بھی ہے وفا
ہلا دیا دل مضطر کو ان کلاموں نے
پیا ہے آپ ہی کا دودھ ہم غلاموں نے

اتنے میں حضرت امام حسین حرم میں تشریف لاتے ہیں۔

یہ حال تھا کہ اشارے سے ماں کے وہ دلدار گرے حسین کے قدموں پہ دوڑ کر اک بار
لگا کے سینے سے کہنے لگے شہ ابرار یہ کیا ہے کیا میرے پیارو حسین تم پہ نثار
ہے کوئی وجہ جو منہ آنسوؤں سے دھوتے ہو
غریب ماں کو رلاتے ہو خود بھی روتے ہو

وطن کے شوق میں ہے بیقرار کیا دل زار بجا ہے باپ کا منظور ہے اگر دیدار
سجے ہیں چھوٹے سے قد پہ کیس لئے ہتھیار بتاؤ اے مرے بانکے سپاہیو میں نثار
ہلالِ ابرووں پہ ہیں عارض ہیں تمتمائے ہوئے
کدھر چلے ہو یہ سینے سے لگائے ہوئے

کہا یہ بھائی سے کلثوم نے قریب آکر حضور گھر کا انہیں دھیان ہے نہ یاد پدر
ہوئے ہیں جب سے علمدار وارثِ حیدر کچھ اس گھڑی سے ہیں چپ چپ یہ دونوں نورِ نظر
نہ سعی کرنے کا مادر سے ہے گلا ان کو
علم دیا ہے انہیں دیجئے رضا ان کو

سرِ نیاز جھکا کر یہ بولیں خود زینب بہن نے کی جو سفارش یہی ہے بس مطلب
کنیز زادوں کی باتیں ہیں بچپنے کی غضب کھلیں جو خدمتِ عالی میں انکے غنچہ و لب
ہنسی حضور کو بے اختیار آجائے
حسین بولے نہیں بلکہ پیار آجائے

سنی امام نے جس دم یہ گفتگوئے ادب بہن کی زینہ شناسی پہ رو دیے فدیہ رب
جگر کو تھام کے فرمایا خیریت نہیں اب یہ کیا کہا کہ لگی دل پہ چوٹ اے زینب
تم اپنے بالے کے بارے میں یوں نہیں کہتیں

ہیں دو ں رضا انہیں پہلے یہ کیوں نہیں کہتیں

حضرت زینب عرض کرتی ہیں۔

فقط سکوت ہی کافی انہیں رضا کے لئے
نہ مرنے والوں کو اب روگئے خدا کے لئے

یہ سُن کے خیمہ سے باہر گئے شہ خوشخو
منہ انکا چوم کے ماں نے کہا کہ اے پیارو
نصیحتیں ہیں یہی انکو مجملاً سُن لو
میں صدقے جاؤں شہادت پہ جب کہ فائز ہو

خدا کی یاد نہ اُس دم بھلائیو دل سے
سُنا ہے جان نکلتی ہے سخت مشکل سے

تم آپ جانتے ہو اپنے ماموں کی حالت
کہ انہیں لاشے اُٹھانے کی ہی کہاں طاقت
تمہارے حال پہ گو ان کو ہی بہت شفقت
یہ مقتضائے ولا ہے کہ تم نہ دو زحمت

ہر ایک طرح سے عقبےٰ سنواریو پیارو
زمیں پہ گر کے نہ اُن کو پکاریو پیارو

حضرت زینب کے دل میں اب موت کا خیال پیدا ہوتا ہے۔

اگرچہ عالم ہستی ہے درمیانِ عدم
مگر نظر نہیں آتا کہیں مکانِ عدم
نہاں ہے تارِ نظر کی طرح نشانِ عدم
کہاں ٹھہرتے ہیں جا کر مسافرانِ عدم

اس آسماں کے سوا کچھ پتہ نہیں ملتا
وہ سرزمیں کہ جہاں نقش پا نہیں ملتا

یہ وہ سفر ہے جہاں سے پھرا نہیں کوئی
رفیق وحشتِ دل کے سوا نہیں کوئی
سوائے گورِ غریباں سرا نہیں کوئی
بجز عنایتِ حق آسرا نہیں کوئی

ہیں اتنی دور کہ فکر اپنی جا نہیں سکتی
وہ آئیں کیا کہ خبر جن کی آ نہیں سکتی

بچوں سے مخاطب ہو کر فرماتی ہیں۔

ہے بھائیوں میں ہم اتفاق نامِ خدا — کہ ساتھ کھیل کے دونوں بڑے ہوئے اک جا
ہم سدھارتے ہو سوئے منزلِ عقبا — یہ اتحاد وہاں بھی رہے ہیں تم پہ فدا
خیال ہے کہ نہ وحشت کہیں سوا ہووے
نہ ایک دوسرے سے راہ میں جدا ہووے

حضرت زینب اپنے بڑے صاحبزادے کی حفاظت میں اپنے چھوٹے فرزند کو دیتے ہوئے ارشاد فرماتی ہیں۔

غضب ہے منزلِ اول کی پہلی رات اے لال — وہ دشتِ قتل کی ساری زمین لہو سے لال
ہے لاشریک فقط اس گھڑی شریکِ حال — رہے برادرِ کمسن کا اپنے تم کو خیال
جو نیند آئے نہ ہرگز جدا جدا سونا
ہیں صدقے دامنِ صحرا میں ایک جا سونا

حضرات عون و محمد حرم سرا سے برآمد ہوئے۔ شاعر میدان رزم کی طرف کمیتِ قلم بڑھاتا ہے۔

خدیوِ ناطقہ ہے طبع آزمائے سخن — سوائے عجز نہیں منچلوں کو جائے سخن
بندھی ہے تا سرِ گردونِ دوں ہوائے سخن — کھلا ہے نظم کے میدان میں لوائے سخن
نقابِ صلح رُخِ جنگ سے اُٹھائے ہوئے
کھڑی ہے فوجِ مضامین پرا جمائے ہوئے

ہے یوں نمود ہر اک مد کی شکل سے پیکار — کہ جیسے بانکے سپاہی کے سر پہ کج دستار
پڑی ہے لفظ و معانی کے درمیاں تکرار — پکارتے ہیں یہ مصرع کہ چل گئی تلوار
نقیب معرکۂ جنگ دل بڑھاتے ہیں
ہٹو ہٹو کہ نواسے علی کے آتے ہیں

حضرات عون و محمد حضرت امام سے رخصت ہو کر میدان وغا کی طرف بڑھتے ہیں۔

ادا کے ساتھ قدم ہر براق فر کے اٹھے — نئی دولہن کوئی جس طرح بن سنور کے اٹھے
پر انکے آگے نہ سر تیر تیز پر کے اٹھے — وہ جھومتے ہوئے لکے سحاب تر کے اٹھے
عرق سے دونوں کے سرسبز تھی زمین رن کی
دکھا رہا تھا بیاباں بہار گلشن کی

طرارے بھر کے یہ سرعت کے ہوش اڑاتے ہیں — ٹھہر کے عمر رواں کو سبق پڑھاتے ہیں
نظر سے پہلے ارادے سے آگے جاتے ہیں — وہ باد پا کہ ہوا میں گرہ لگاتے ہیں
روا روی کا ہے یہ رنگ روپ سایوں میں
کہ سایہ دھوپ میں چھپتا دھوپ سایوں میں

مرکبوں کی تعریف کے بعد راکبوں کی مدح آتی ہے۔

ثنائے زلف میں ہیں مو شگاف سر کو جھکائے — اندھیر گھپ میں بجز تیرگی نظر کیا آئے
ضیائے رخ مگر اس راہ میں چراغ دکھائے — مثال تازہ کوئی خضر عقل ڈھونڈھ کر لائے
ملا نہ کیسے حلب سے تتار کا ڈانڈا
وہ حد شب ہی یہ صبح بہار کا ڈانڈا

وفا نے ان کو پہنائے ہیں خلعت اعزاز — عبائے پاک میں ہیں تہ بتہ خلوص کے راز
ہے انکا جلوۂ عارض نقاب روئے نیاز — جبیں کے عکس سے روشن ہیں حسن کے انداز

یہ زلف و رُخ کا اشارہ ہے رات اور دن سے
کہ چہرے آرزوں کے چمکتے ہیں ان سے

وہ بھولی بھالی لڑکپن کی صورتیں اُن کی — وہ بچپنے کی اُمنگیں وہ جودتیں اُن کی
وہ کارزار پہ مائل طبیعتیں اُن کی — وہ سن وہ سال وہ مرنے کی حسرتیں اُن کی

گئے ہیں اہلِ نظر کے حواس آئے ہوئے
جمال رعب کا پہلو بھی ہے دبائے ہوئے

خوشی سے رنگ رُخ اُن کا ہو کیوں نہ عنابی — شکست جن کی حقیقت میں ہے ظفر یابی
محیط کیوں نہ جزو کل پہ ہوئے بیتابی — بھنور میں آئی ہے کشتی چرخ دولابی

اُڑا ہے خوف سے در پردہ رن بگولے میں
زمین جھومتی ہے زلزلے کے جھولے میں

دو صف شکن جو بڑھے پُر جگر دہل کے ہٹے — گریز پا سر کبر و حسد کچل کے ہٹے
سکون تھا جنہیں ڈنکی طرح اُچھل کے ہٹے — جو منچلے تھے وہ کچھ تھوڑی دور چل کے ہٹے

قبائے تنگ بدن پہ سنوار لی سب نے
قرار چھوڑ کے راہ فرار لی سب نے

بغیر تیر کیا ڈے کڑک رہے ہیں کہیں — دکھانے کے لئے افسر جھجک رہے ہیں کہیں
صدائے طبل سے گھوڑے بھڑک رہے ہیں کہیں — سوار خاک پہ گر کر پھڑک رہے ہیں کہیں

اُو کھا نہ غلغلِ ترنا و بوق وحشت سے

گھٹی ہوئی ہے صدا حلق نے ہیں ہیبت سے

سپاہ شام میں اندھیر چارسو ہے عیاں
غرور و کبر کا سودا دماغ میں ہے نہاں
ہوئے ہیں سہم کے پیکان تیر میم کماں
بنے ہیں خوف سے خم ہو کے نیزے نون نشان
اُدتر گئے ہیں گریباں کی طرح منہ سب کے
سپاہی بھاگتے ہیں مورچوں سے دب دب کے

خراب فوج کا نظم و نسق ہوا ہے تمام
چلے ہیں رن سے عدو خاک میں ملا کر نام
گئے ہیں ساتھیوں کو دیکھے بھاگنے کا پیام
اڑا ہے چہروں سے رنگ آبرو کو کر کے سلام
کشاں کشاں لئے جاتا ہے اضطرار اُن کو
ہے ساتھ سائے کا ہونا بھی ناگوار اُن کو

لرز رہے ہیں خیام امیر لشکر کیں
مآل سوچ کے ہیں منتشر وہ دشمن دیں
شکستِ فاش ہی دہلیز در پہ رکھے جبیں
نہیں ہی قلب دل آزار کو قرار کہیں
سرانِ فوج ہیں جو گرد تیغیں تولے ہوئے
ٹہل رہا ہے سیہ کار بند کھولے ہوئے

قسم شریر کے فرق نحس کی کھا کھا کے
خبر سناتے ہیں لشکر کے مخبر آآ کے
وہ دیکھ گوشوں میں سرکش چھپے ہیں جا جا کے
سر کٹنے جاتے ہیں افسر بھی قت پا پا کے
لڑے بھڑے ہوئے تھے جسمیں وہ پرا ٹوٹا
اٹھا وہ مورچہ پہلا وہ دوسرا ٹوٹا

یہ حشر دیکھتے ہی اور اضطراب بڑھا
ابولہب کی طرح دل کا التہاب بڑھا
بر رنگ مار سیہ کھا کے پیچ و تاب بڑھا
جدھر تھا شمر ادھر خانمان خراب بڑھا

اوٹھا کے ہاتھ کہا کیوں خموش ہے ظالم
بتا دو غا کا تجھے اب بھی ہوش ہے ظالم

عمر ابن سعد شمر کو سخت سُست کہتا ہے - اور اُسے یاد دلاتا ہے کہ تو نے ہی صلح نہ ہونے دی -

حسین سے نہ الجھ کیوں یہ ہم نہ کہتے تھے

اسی سلسلۂ کلام میں یہ بند ملاحظہ ہو

تو ہی بتا جو کہا تھا وہ سب ہوا کہ نہیں	فساد قہر کا آخر سبب ہوا کہ نہیں
شکستِ فاش کا رنج و تعب ہوا کہ نہیں	سپاہ کھا گئی گھونگٹ غضب ہوا کہ نہیں
بڑھے گا ایک نہ اب تیغ آزمائی کو
بنائے کیا کوئی بگڑی ہوئی لڑائی کو

خاندانِ رسالت کی شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے -

سب اس گھرانے میں جانبازہیں دلاور ہیں
صفیں الٹتے ہیں خورد و کلاں برابر ہیں

حضرات عون و محمد کی جنگ کی تعریف میں کہتا ہے -

کھپے نہ آنکھوں میں کیوں کارزار کی صورت
چلے ہیں مل کے بہم ذوالفقار کی صورت

جدائی سر و گردن کو میل سمجھے ہیں
صغیر سن ہیں لڑائی کو کھیل سمجھے ہیں

پھر شمر سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ کہ دونوں بھائی تیری تلاش میں ہیں۔ میں نے سُنا ہے۔ کہ

کمر میں رکھ کے عناں توسنوں پہ جھک جھک کے
کسیکو ڈھونڈھتے تھے ہر پرے میں رُک رُک کے

ہنسا لئیم کی باتوں پہ شمر عربدہ جو   دیا جواب کہ بیشک نہیں جو اس میں تو
ترے کلام سے آتی ہے اضطرار کی بُو   یہ خوف ہے کہ نکلتی نہیں صدائے گلو

نہیں خیال میں اصلا وغا کی گھاتیں ہیں
چھ لاکھ فوج کے سردار کی یہ باتیں ہیں

کہا عمر نے لڑاتا ہے کیوں زباں مجھ سے   پکارا شمر کیا تو نے کیوں بیاں مجھ سے
وہ بولا بڑھ کے نہ بول او عدوِ جاں مجھ سے   پکارا یہ نہ الجھ وقت امتحاں مجھ سے

کہا شریر نے کیوں میرے منہ کو تکتا ہے
کہا شمر نے یہ کیوں واہیات بکتا ہے

اس طرف جنگ لفظی ہو رہی تھی کہ خبرداروں نے حضرات عون و محمد کے قریب پہنچ جانے کی خبر دی۔

کلید باب شجاعت ہے اب زبانِ قلم   ہے لوح نظم سے ظاہر شکوہ و شانِ قلم
بلند لشکرِ مضموں میں ہے نشانِ قلم   نشید بلبل وستاں ہے داستانِ قلم

ہے آب و رنگِ چمن ہمصفیرِ بلبل سے
صریرِ خامہ نہیں کم صفیرِ بلبل سے

مزے ہیں یہ سخن خوشگوار کے سارے
کہ خود زبانِ قلم بھر رہی ہے چٹخارے
مگر خموش ہے حاسد وفورِ خجلت سے
ہیں بند ذائقہ سے لب دہن ندامت سے

اشارہ چوبِ قلم کا ہے نکتہ داں کے لئے
کہاں ہیں اہلِ ہنر آئیں امتحاں کے لئے
ہزار لطفِ معانی ہیں اک بیاں کے لئے
لبِ کلام نے بوسے مری زباں کے لئے
جو خود پسند ہیں حق بات مانتے ہی نہیں
کہ جنسِ شعر کی تعریف جانتے ہی نہیں

یہ گرم جوشی یاران با صفا کیسی
یہ دھوم مدحت بیجا کی جا بجا کیسی
یہ مدِ صوت یہ تحسین کی صدا کیسی
دماغ جس سے پریشاں ہو وہ ثنا کیسی
مزاج شاعرِ نازک خیال نازک ہے
مگر طبیعتِ مضموں کمال نازک ہے

زبانِ صدق بیان بس تجھے ہو کیا منظور
برا نہیں تو بھلا بھی نہیں ہے یہ مذکور
دکھا لڑائی کا نقشہ بڑھے شجاع غیور
قیامت آئی اٹھا شور ینفخ فی الصور
وہ نذر فتح نے دی اُن بلند ناموں کو
بہادروں نے وہ خالی کیا نیاموں کو

وہ ہر نیام سے اک ایک برق فر نکلی
جُدا جدا سر میدان اِدھر اُدھر نکلی
دہانِ غیب سے وہ فتح کی خبر نکلی
وہ اپنے حجلے سے نوشاہِ ظفر نکلی
وہ بڑھ کے رعب نے اٹھنے دیا نہ ڈھالوں کو
وہ نیّرین نے جلوہ دیا ہلالوں کو

وہ نیمچوں کی صفائی وہ آب و تاب اُنکی ادب سے دیکھتا تھا صورت آفتاب ان کی
دُرِ خوشاب صدف میں چھپے وہ آب اُنکی ہمیشہ تازہ تھی خوناب دل سے تاب اُنکی
وہ چال وار بھی خود جسکے ساتھ چلتا ہے
وہ آب جس سے اجل کا چراغ جلتا ہے

یمین کو عون کی شمشیر شعلہ خیز چلی سوئے یسار محمد کی تیغ تیز چلی
وہ اس طرف تو ادھر کو یہ برق ریز چلی اور اُن کے بیچ میں برش دم ستیز چلی
بجز نیام جگہ امن کی کہاں پائی
رہ گریز نہ سائے نے درمیاں پائی

در آئی قلب عدو میں جو آرزو کیطرح تو نکلی خون میں گھل مل کے رنگ و بو کیطرح
پھری ہزار زبانوں پہ گفتگو کی طرح جبیں سے ٹپکی عرق بن کے آبرو کی طرح
شکست فوج کو ہنگام جنگ دیکے پھری
سروں سے ہوش دلوں سے امنگ لیکے پھری

اگلی بیت میں مقتولین فوج شام کی بیکسانہ موت کا نقشہ خوب کھینچا ہے۔

بدن سے روح دبے پاؤں یوں روانہ ہوئی بلند خون کے گرنے کی بھی صدا نہ ہوئی

تلوار کی تعریف

پہن کے اسلحہ جوہر کا بن سنور کے چلی جو ڈوبی خون میں تو اور بھی نکھر کے چلی
کبھی جھپٹ کے چلی اور کبھی ٹھہر کے چلی محیط فوج میں مانند موج اُبھر کے چلی
زرہ کے نیچے کبھی سایہ سپر میں تھی
یہ دھوپ چھاؤں کی صورت زمانہ بھر میں تھی

ہزار ہا کے سروں پر سے گذری اک پل میں سوار میں تھی نہ جان اُس گھڑی نہ پیدل میں
نہاں تھی برق جہاں تاب تیغ کے پھل میں چمک کے ڈھال پہ پہنچی جو فوج کے دل میں
ہوا یہ شور کہ ہے روشنی پہاڑوں پر
وہ اُٹھ کے ابر سے بجلی گری پہاڑوں پر

بڑھا کے رخش ادھر سے ادھر گئے دونوں صفوف فوج عدو خوں میں بھر گئے دونوں
وہ کمسنی میں بڑے نام کر گئے دونوں کہ امتحاں میں برابر اتر گئے دونوں
جھپٹ کے چار طرف خوب آئے خوب گئے
سپاہ شام کے بادل میں ڈوب ڈوب گئے

گئے غرور و حسد غازیوں کے آتے ہی شغال گم ہوئے شیروں کو نہیں پاتے ہی
نہ پانی مانگتا تھا کوئی زخم کھاتے ہی نہال عمر ہوئے قطع بار لاتے ہی
ملی قرار کو رخصت قرار سے پہلے
خزاں کا آگیا خیمہ بہار سے پہلے

چھپے کبھی کبھی ہر صف میں ڈوب کر نکلے بھرے تھے دل میں جو ارمان سربسر نکلے
ادھر بڑھے کبھی تنتے ہوئے اُدھر نکلے قیامت آئی قدم چومنے جدھر نکلے
جہاز عمر نے کھائے ادھر ادھر پلٹے
یہ پلٹے جب کسی افسر کا لے کے سر پلٹے

غضب تھی شوخی طبع محمد ذی جاہ کہ ٹوکتے تھے جب افسر کو رزم میں سر راہ
جو اس کی سمت کو مڑتے تھے عون حق آگاہ اٹھا کے دست ادب کہتا تھا وہ غیرت ماہ
چلا تھا بھاگ کے ہیں نے ہی اسکو گھیرا ہے

ادھر نہ آ سکے گا یہ شکار میرا ہے

یہ اُن کا طرزِ وغا اور عون کا یہ حال
کہ ٹوک لیتے تھے جس پہلوان کو وقتِ جدال
محمد اس کو دکھاتے تھے عزم و شانِ کمال
مگر نہ ہوتا تھا عون جری کو اس کا خیال
وہ ان سے پہلے اُسے دیکھ بھال لیتے تھے
یہ سن ہیں تھے جو بڑے ہنس کے ٹال دیتے تھے

وہ عرض کرتے تھے دیراب نہ آپ فرمائیں
ادھر سے جائیں حضور اور ادھر سے ہم آئیں
عمر کے خیمہ پہ میمنہ ضربتوں کا برسائیں
عدو کو نیچوں کی زد پر گھیر کر لائیں
یہ کہتے تھے کہ نہ خیمے میں وہ لعیں ہوگا
صفوفِ فوج میں ڈھونڈھو یہیں کہیں ہوگا

یکایک فوج شام سے تیر اندازی شروع ہوئی ۔ حضرات عون و محمدؑ مجروح ہو گئے ۔

دلوں پہ ہوتی تھی قربان آرزوئے اجل
کہ سو گئے تھے وہ اپنے لہو میں بوئے اجل
ہزار جان سے تکتے تھے دونوں روئے اجل
اجل تھی اُنکی طرف محو اور وہ سوئے اجل
ہراک سمت بڑھے تیغ لئے دونو
بدن سے تیر نہ کھینچے لڑا کئے دونو

رُکے نہ ہاتھ رہا جب تنگ، کہ دم ہیں دم
وہی اُمنگ وہی ولولہ وہی عالم
نہ یہ خیال کہ زخمی ہیں سر سے تا بہ قدم
یہ اتفاق تو دیکھا نہیں خدا کی قسم
عجیب ربط ہے مقتل میں غوشِ صفات گری
کہ سات آئے لڑے سات اور سات گرے

نہ بھولے ماں کی نصیحت کو وہ خجستہ شعار نہ دی امام کو گرتے ہوئے صدا زنہار
ہر ایک زخم بدن سے رواں تھی خون کی دھار مگر حمیت و جرأت کا تھا یہی اصرار
کہ دم رہے نہ رہے لیکن اپنی بات رہے
گرے جو گھوڑوں سے تو نیمچوں پہ ہات رہے

حضرت امام حسین ایک عالم بیخودی میں در خیمہ پر کھڑے ہیں۔ اتنے میں نواسوں کی شہادت کی خبر پہنچتی ہے۔ تو قتل گاہ کی طرف لاشیں لینے کی غرض سے روانہ ہوتے ہیں۔

خوزادے جانبِ مقتل بشکل آہ چلے بسانِ اشک رواں جلد جلد راہ چلے
ہجوم غم کو لئے سوئے قتل گاہ چلے عقب میں ان کے شہنشاہِ کم سپاہ چلے
قریب لاشوں کے عباس پہلے جا پہنچے
پھر اُن کے بعد یہ سب غم کے مبتلا پہنچے
لگائے سینے سے عباس نے شہیدوں کے سر تڑپ گئے تنِ مجروح دیکھ کر سرور
بڑے کو ہاتھوں پہ لیکر چلے علی اکبرؑ اٹھایا چھوٹے کو قاسم نے گود میں جھک کر
قضا یہ کہتی ہوئی اُن کے ساتھ ساتھ چلی
علی کے پیاروں کی فردوس کو برات چلی
یہ حشر خالق اکبر کبھی نہ دکھلائے کھڑی تھی بی بیاں ڈیوڑھی پہ بال بکھرائے
قریب تھا کہ جگر شق ہو دم نکل جائے حرم میں آئی قیامت کہ وہ شہید آئے
جگہ دی زیر علم مرتضےٰ کے شبروں کو
لٹایا مسندِ جعفر پہ اُن دلیروں کو

ہوا علم کے پھریرے کی دی اُنہیں جو دم　تو آئے ہوش میں اک بار دونوں وہ ضیغم
کہا یہ کو کھ جلی ماں سے مسکرا کے بہم　علم کے ملنے کا اب ہم کو کچھ نہیں ہے الم
پہنچ گئے خضر بخت اپنی سرحد پر
علم کے سایے میں لیٹے ہیں مسند جد پر

ہزار شکر کہ مقتل میں وقت خوف و خطر　کیا حضور کے ارشاد پر عمل یکسر
خصوص معرکہ دیکھا نہ ہم نے مڑ کے ادھر　وغا میں غیر ہوا حال تشنگی سے اگر
خلاف حق نہ مگر منہ سے گفتگو نکلی
سناں جو دل سے ہوئی پار آرزو نکلی

یہ کہتے کہتے ہوئے اسطرح سے چپ وہ گل　کہ جیسے جلتی ہوئی شمع دفعتاً ہو گل
گئے بہشت میں پیش علی و ختم رسل　ہوا بلند نبی زادیوں میں حشر کا غل
سپاہ شام نے جانا گذر گئی زینب
شہید بیٹوں کے ماتم میں مر گئی زینب

حضرت زینب کمال ضبط پر بھی فطری تقاضائے محبت سے مجبور ہو گئیں۔ از خود فراموشی کے عالم میں بچوں کی لاشوں سے اس طرح گفتگو کر رہی ہیں۔

عطش میں آہ طلاقت دکھا رہے تھے ابھی　بگڑ بگڑ کے یہ باتیں بنا رہے تھے ابھی
مرے کلیجہ پہ چھریاں لگا رہے تھے ابھی　رولانے کے لئے یہ مسکرا رہے تھے ابھی
سکوت کر گئے کیوں لال دفعتاً میرے
نہ ہوں گے پھر کبھی گویا یہ گلم سخن میرے

ہیں اپنے یوسفوں کو ڈھونڈنے کدھر جاؤں　　مسافرانِ عدم کو میں اب کہاں پاؤں
یہ دل کے آبلے کس طرح اُن کو دکھلاؤں　　گئے ہیں روٹھ کے کیونکر انہیں منا لاؤں
بگڑ کے تیسرے دن بھوک پیاس میں دونوں
سدھارے ہیں غم و اندوہ و یاس میں دونوں

چھوڑا کے مجھ سے کدھر آہ لے گئی ہے قضا　　عدم کی منزلِ پُر خوف کو یہ جائیں کیا
نہ خوب پیادہ روی کی نہ راستہ دیکھا　　اکیلے سونے کی عادت نہ تھی انہیں اصلا
جو رات ہوئے گی منزل پہ گلعذاروں کو
بغیر ماں کے نہ آئے گی نیند پیاروں کو

خموش کیوں ہوئے تتلا کے منہ سے کچھ بولو　　سدھارتے ہو تو ماں سے بھی وداع ہو لو
بھرا ہے آنکھوں میں خوں آنسوؤں سے منہ دھو لو　　اور آئے ہو جو رضا کرکے تو کمر کھولو
تباہ رن میں کیے غول بد رگوں کے
یہ گھر ہے چھوڑ دو ہاتھوں سے قبضے تیغوں کے

بس آج خوب کھینچی غم کے حال کی تصویر　　غضب ہے خامۂ معجز نگار کی تحریر
یہ بندشیں یہ مضامین یہ خوبیٔ تقریر　　سخنوروں میں ہے مشہور خاندانِ دبیر
ہے مجلسوں میں عروج کمال منبر پہ
فصاحت اور بلاغت ہے ختم اس گھر پہ

حاشہ ہوگی کی بجائے اب متروک ہے ۱۲



میر نفیس لکھنوی

میر نفیس

شاعر باغ سخن کے پھولوں کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان ہے۔

دیداس کی ہے شگفتگی خاطر ملول　　پژمردہ گھل کی جو نہیں ہوتی یہ ہیں وہ پھول

اسی سلسلۂ بیان میں یہ دو شعر بہت رنگین ہیں۔

شاداب اسطرح ہیں ریاض سخن کے پھول　　جیسے بہار میں تر و تازہ چمن کے پھول

یاں کیوں نہ بلبلوں کے اڑیں بار بار رنگ

جس میں ہزار قسم کے گل اور ہزار رنگ

مرثیہ نگار مدح آل رسول کے صلے میں جنت الفردوس کا خواہشمند ہی چنانچہ کہتا ہے۔

ہنس ہنس کے دیکھوں گلشن فردوس کی بہار　　نرگس پہ گہ نظر ہو کبھی سوئے لالہ زار

خنداں کبھی ہوں زیر درختان میوہ دار　　ہر برگ ویر سے آئے یہ آواز بار بار

دیکھ اے نفیس رحمت رب کا نزول ہے

یہ ثمرۂ غلامئے آل رسول ہے

نمود سحر

جس دم ہوا سپہر بریں پر ظہور صبح　　نکلا حجاب شب سے رخ صاف حور صبح

غائب ہوا ضیائے کواکب پہ نور صبح　　پھیلی زمیں پہ روشنئ شمع طور صبح

پنہاں ستارہ ہائے شب تار ہو گئے

طالع خدیو صبح کے بیدار ہو گئے

عبادت گذاری

تھے محو حمد صبح نشینانِ ذی شعور ہر اک کو تھا تلاوت والفجر کا سرور
وہ دشتِ نینوا میں نوا سنجیٔ طیور یا ہو کا غل کہیں تو کہیں شور یا غفور
ہر دم تھا آشکار و نہاں کبریا کا ذکر
کرتے تھے اپنی اپنی زبان میں خدا کا ذکر

شاید اگلے تین بندوں میں شاعر بھول جاتا ہے۔ کہ وہ دشتِ کربلا کا ذکر کر رہا ہے۔ یہ رنگین اشعار بہشت زار کشمیر پر بھی عائد ہو سکتے ہیں۔ بہرحال یہ بند شاعر کی مصوری کا بہترین نمونہ ہیں۔ ملاحظہ ہو

جھونکے وہ باد صبح کے سردی وہ معتدل سبزہ وہ جس سے ہو فلک اخضری خجل
خوشبو وہ تازے پھولوں کی جس سے خوشی ہو دل مرغانِ دشت و در کی صدائیں وہ متصل
وہ لطفِ طائرانِ چمن کی صفیر کا
دم بھر رہے تھے عشق خدائے قدیر کا

وہ تازگی گلوں کی وہ گلزار کی بہار گلبانگ عندلیب وہ بالائے شاخسار
طاؤس کا وہ رقص تہِ نخلِ سایہ دار اٹھکھیلیاں نسیم سحر کی وہ بار بار
اک وجد تھا نہال نہ پھولے سماتے تھے
رہ رہ کے غنچہائے چمن مسکراتے تھے

شبنم کی برگِ سبز و گل سرخ پہ چمک ہیرے کے نگ تھے لعل و زمرد پہ دور تک
وہ جھومنا درختوں کا باہم تہِ فلک لالے کی وہ لہک گلِ خودرو کی وہ مہک
جلوہ وہ چار سمت سحر کی بہار کا

گلشن کھلا تھا قدرتِ پروردگار کا

وردی بجی سحر کی ادھر یاں ہوئی اذاں
خیمے سے نکلے اوڑھے قبا قبلۂ زماں
مولا کے منتظر تھے جو سب ہاشمی جواں
بندھنے لگیں صفیں عقبِ شاہِ انس و جاں

مرقع نگاری

پھیر اسلام ادھر شہِ گردوں مقام نے
طبل وغا بجائے اُدھر فوجِ شام نے
مڑ کر دلاوروں پہ نظر کی امام نے
تسبیح رکھدی ہاتھ سے ہر تشنہ کام نے
تیور بھی اور ہو گئے ہر ذی وقار کے
جھومے دلیر زیورِ جنگی سنوار کے

زردی رخوں سے اُڑ گئی اللہ رے شوقِ جنگ
دِکھلا دیا رحیق شجاعت نے سرخ رنگ
دریا کو چھین لیں یہ دلوں کو ہوئی اُمنگ
موزے پہن کے کھینچ لئے مرکبوں کے تنگ
بل ابروؤں پہ دوش پہ شملے پڑے ہوئے
گویا درِ حضور پہ شیر آ کھڑے ہوئے

اک سمت نوجوانوں میں ساتھ آٹھ خرد سال
برہم کھڑے تھے سب صفتِ شیرِ ذوالجلال
وہ بھولی بھولی صورتیں وہ حسن وہ جمال
حاصل تھے کمسنی میں بزرگوں کے سب کمال
گلرو تھے سرو قد تھے حسیں تھے دلیر تھے
کیونکر نہ ہوں کہ شیرِ الٰہی کے شیر تھے

انتظارِ جنگ

آپس میں جھوم جھوم کے کرتے تھے یہ کلام
پہلے ہمارے نیچے ہیں اور فوج شام

ہم جاں نثار اکبر و قاسم کے ہیں غلام بیتاب بہر جنگ ہیں اب خادمِ امام

برسیں خدنگ تیغوں سے تن چور چور ہوں

جلدی کہیں حرم سے برآمد حضور ہوں

دو چار وہ مسن کہ جوانوں میں انتخاب قربان جنکے شیب پہ کیفیت شباب

طاقت میں دیدبے میں شجاعت میں لاجواب قد غیرت ہلال تو رخ رشک آفتاب

جو پاسے آبرو وہ بدیع الجمال تھے

قد خمیدہ دین کی دولت پہ ڈال تھے

پیری میں گو کہ ہاتھوں میں رعشہ تھا وقت جنگ غصہ میں چیر ڈالیں مگر کلہ نہنگ

شیروں کے بھیسے تھی جوانوں کے رنگ ڈھنگ روئیں تن اُن کے ہاتھونکی قوت سے تھی تنگ

خم ہوگئے سیدھے ہونے تھے یوں کارزار میں

انگڑائی شیر لیتا ہے جیسے کچھار میں

اسی سلسلہ بیان میں یہ دو شعر خوب ہیں:۔

پیری میں رُخ سے رعب جوانان ہے آشکار توڑیں کلائی شیر کی وہ دست رعشہ دار

فوجوں میں نوجوانوں سے پیچھے نہیں رہے سرک گئے پہ پاؤں جہاں تھے وہیں رہے

ادھر حرم میں حضرت زینب مضطرب الحال ہیں۔ بھائی کی موت کی تصویر آنکھوں میں پھر رہی ہے۔ جہان تاریک نظر آتا ہے۔ امام نے بہن کی حالت سے متاثر ہو کر اسطرح تلقین صبر فرمایا ہے

شہ نے کہا کہ موت سے چارہ نہیں بہن جز ذات حق کسی کا سہارا نہیں بہن

فرقت ہماری گرچہ گوارا نہیں بہن پر کیا کریں کہ زور ہمارا نہیں بہن

اس کے بعد کہتے ہیں۔

فرما کے یہ محل سے برآمد ہوئے امام
نکلا حجاب سے قمرِ آسماں مقام[1]

جھک جھک کے خادموں نے ادب سے کئی سلام
بولے ملازموں سے علمدارِ نیک نام

لطف خدا ہے شہ کے ہر اک خانہ زاد پر
لاؤ فرس حضور چڑھیں گے جہاد پر

سرتاج دیں سوار ہوا یاد پا بڑھا
غازی بڑھے نشان سپاہِ خدا بڑھا[2]

کس شان و دبدبہ سے ہر اک باوفا بڑھا
شیروں کا غول دشت سے بہرِ وغا بڑھا

خوشبو زمیں تھی وادیٔ عنبر سرشت کی
جنگل میں چل رہی تھیں ہوائیں بہشت کی

رزمیہ

ڈنکا ہوا سرانِ سپاہ گراں بڑھے
لنگر بندھے نشان کھلے پہلواں بڑھے

لیکر رضا ادھر سے حسینی جواں بڑھے
تیغیں علم کئے ہوئے شیرِ ژیاں بڑھے

جانیں نثار شاہِ خوش انجام کر گئے
تا حشر نام رہ گیا وہ کام کر گئے

نکلے وغا کو شہ کے عزیزانِ مہ جبیں
ایسے لڑے کہ بھر دیا لاشوں سے دشتِ کیں

پامال جب ہوا چمن مسلمِ حزیں
دونوں کی لاشیں رن سے اٹھا لائے شاہِ دیں

خیمہ کے اندر کھرام بپا تھا۔ مخدرات عظام آہ و بکا میں مصروف تھیں مگر حضرت زینب کو یہ قلق تھا کہ اب تک میرے فرزند سرخرو کیوں نہیں ہوئے

---

[1] قمر آسماں مقام۔ امام حسین مراد ہیں [2] جھنڈے کے پرچم کا ہوا میں لہرانا

شب تک تو میرے سامنے کھاتے تھے وہ قسم | ہم اپنے سر کرینگے نثارِ شہِ امم
کل پیچھے ہمارے ہیں اور لشکرِ ستم | اس معرکے سے بڑھ کے ہٹیں گے نہ یہ قدم
اب کیا ہوا جو اُن کے نئے طور ہو گئے
وقتِ جدال آتے ہی کچھ اور ہو گئے

بچے سمجھ کے ماموں نے رخصت نہ دی اگر | کیوں گر پڑے نہ شہ کے قدم پر جھکا کے سر
مجھ سے تو کہتے خیمہ میں آ کر وہ سیمبر | اصرار کرتی بھائی سے میں ہاتھ جوڑ کر
وہ چپ ہیں اور یاں کی مصیبت میں جان ہے
میرا انہیں خیال نہ آقا کا دھیان ہے

کہنے لگی یہ زوجۂ عباسِ باوفا | بچے ہیں تشنہ کام ہیں دونوں کے سن ہیں کیا
سنتی ہوں شہ سے مانگی کئی مرتبہ رضا | روکا انہیں حضور نے کیوں آپ ہیں خفا
کیں منتیں بھی گرد بھی آقا کے پھر چکے
سو بار جوڑے ہاتھ قدم پر بھی گر چکے

ایسے نہیں کہ رن میں نہ جائیں وہ تشنہ کام | تشویش کچھ نہ کیجئے اے خواہرِ امام
حیدر کے یادگار ہیں جعفر کے لالہ فام | چھوٹے ہیں گو یہ سب سے وہ بڑھ کر کرینگے کام
عاشق ہیں جاں نثارِ امام دلیر ہیں
پالا ہے جن کو بنتِ علی نے وہ شیر ہیں

یہ ذکر تھا کہ خیمے میں آئے شہِ امام | تھے پیچھے پیچھے حضرت زینب کے لالہ فام
دیکھا جو بھائی کو تو بڑھیں خواہرِ امام | فرمایا شاہ نے کہ بہن ہم بھی ہیں تمام
ماموں کے بدلے قتل کی ایذا اٹھاتے ہیں

زینب تمہارے لال بھی مرنے کو جاتے ہیں

پھر ارشاد کیا۔

جاتا تھا جب اُدھر سے کوئی ہر کارزار | رہ جاتے تھے تڑپ کے یہ دونو وفا شعار
عباسِ نامدار سے کہتے تھے بار بار | افسوس ہم نہ پہلے ہوئے شاہ پر نثار

اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ

دونوں نے والدہ کے قدم پر جھکائے سر | چھاتی سے انکو ماں نے لگایا بچشمِ تر

اور فرمایا۔

قربان جاؤں دیر مناسب نہیں ہے اب | لو جاؤ چوم کر قدمِ شاہ تشنہ لب
دکھلاؤ شامیوں کو جلالِ شہِ عرب | معلوم ہیں تمہیں تو لڑائی کے ڈھنگ سب
کیا احتیاج کہنے کی خود ہوشیار ہو
سرگرم جان دینے پہ ہو جاں نثار ہو

ماں کی حوصلہ افزائی

چھوٹا مرا تو سب سے زیادہ ہے ذی شعور | جرّار بردبار سخی عاشقِ حضور
صادق دلیر شیر جری منچلا[1] غیور[2] | لاکھوں سے معرکہ میں اکیلا لڑے وہ سور[3]
وقتِ وغا مٹے تو سپاہِ ستم ہٹے
برسے جو آگ بھی تو نہ پیچھے قدم ہٹے[4]
دونوں کے منہ کو دیکھ کے بانو نے یہ کہا | لوان کی جرأتوں سے ہے نسبت کسیکو کیا[5]

---

[1] منچلا۔ دل کا بہادر [2] سور۔ بہادر [3] مراد یہ ہے کہ بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی۔ [5] اس کی جرأتوں سے ہر نسبت کسیکو کیا۔ یعنی یہ بہت بہادر ہیں۔

غازی شجاع شیفتۂ شاہِ کربلا شیروں[1] کے شیر صاحب شمشیر باوفا
سب شوکتیں ہر اک میں خدا کے ولی کی ہیں
آنکھیں تو دیکھیے کہ بعینہٖ علی کی ہیں

اس کے بعد

زینب نے خلعت انکو پہنائے بحال زار پونچھا ردا سے چاند سے چہروں کا پھر غبار

اسلحہ جنگ پہننے کے بعد

دونوں نے شہ کو جھک کے کیئے آخری سلام رخصت ہوئے سبھوں سے وہ ذی قدر و نیکنام
ماں دل[3] پکڑ کے رہ گئی گھبرا گئے امام خیمے سے باہر آئے بصد عز و احتشام
مشتاقِ کارزار جو وہ سرفروش تھے
سینے تنے تھے نیمچے بالائے دوش تھے
آئے سجے ہوئے درِ دولت پہ راہوار رکھ کر کمر میں چھوٹے سے دامن ہوئے سوار
جلدی قدم جما کے رکابوں میں استوار باگیں[4] جو لیں ہوا ہوئے[5] اسپِ وفا شعار
پریاں تھیں گویا اژدہا کر نکل گئیں
دو بجلیاں تڑپ کے برابر نکل گئیں

زور بیان

خوش رو عقاب طلعت و طناز و خوشخرام خوشخو پلنگ ہیبت و جاندار و تیز گام
کوتاہ سم فراخ دل و تیز و خوشش خرام عنقا شکوہ بحر نورد و خجستہ کام

---

[1] شیروں کے شیر بہادر باپ کے بہادر بیٹے [2] دل بڑھانا۔ حوصلہ بڑھانا [3] دل پکڑ کر رہ جانا حالت غم مراد ہے [4] باگیں لینا۔ باگیں سنبھالنا [5] ہوا ہونا۔ ہوا کی طرح تیز دوڑنا۔

رُکتے نہیں جدھر انہیں لیجاؤ پھیر کے
آنکھیں غزال کی ہیں تو سینے ہیں شیر کے

مبالغہ شاعرانہ

مثلِ نسیمِ صبح سبک رَو سبک عِناں
پتی جھکے نہ ایک جو پھولوں پہ ہوں رواں
ٹھہریں تو اس طرح کہ نہ ہوں بارِ بوستاں
جس طرح پھول نخل پہ ہوتے نہیں گراں
ہر سم کی آب و تاب پہ گوہر نثار ہے
سمجھیں یہ گل کہ قطرۂ شبنم کا بار ہے

پہنچے جو دشتِ جنگ میں وہ شیر خشمگیں
بچوں کے رعب سے ہو حیران عدوِ دیں
ڈالی کڑی جو آنکھ[1] تو ہلنے لگی زمیں
دہشت سے ہٹ گئے قدم فوجِ اہلِ کیں
ہلچل ہوئی پروں میں دلیروں کو دیکھ کر
گھوڑے چراغ پا[2] ہوئے شیروں کو دیکھ کر

لو بڑھ کے معرکے میں رجز خواں ہوئے دلیر
لو گونجنے لگے اسدِ کبریا کے شیر
نعرے کئے کہ جنگ میں اب کسلئے ہے دیر
سیراب تم اگر ہو تو ہم زندگی سے سیر
کھینچیں جو تیغ خوف سے منہ سب کے زرد ہوں
پہلے وہی نبرد کو نکلیں جو مرد ہوں

ناگاہ ابنِ سعد نے آواز دی کہ ہاں
آگے بڑھیں نقیب کھلیں فوج کے نشاں
کر ڈالو قتل تم انہیں بچے ہوں یا جواں
روکے اُنہیں جمائے صفیں لشکرِ گراں
آمادۂ قتال شقاوت پسند تھے
دو لاکھ شہسواروں کے نیزے بلند تھے

[1] کڑی آنکھ ڈالنا۔ گھور کر دیکھنا۔ [2] چراغ پا ہونا غصے سے بےقابو ہو جانا۔ ایک جگہ پاؤں نہ رکھنا۔

چھوٹے نے کی یہ عرض کہ اب چھیڑیے فرس
بھائی صفیں جمی ہیں قریب آگے پیش و پس
یہ فوج اپنی تیغوں کے آگے ہی خار و خس[1]
فرمایا یہ کہ اب کوئی حجت نہیں ہی بس
یہ عزم ہے کہ لاشوں سی مقتل کو پاٹ کے
لیجائیں انکے سر و دولت یہ کاٹ کے

یہ ذکر تھا کہ لشکرِ خالمی سے آئے تیر
جولاں کئے دلیروں نے اسپانِ بینظیر
کھینچے جو پیچھے تو ہٹے فوج کے شریر
باگیں اُٹھا کے دھنس گئے اس فوج میں صغیر
آفت بپا تھی چلتے تھے یوں رنمیں تیچے
سینوں کو چاک کرتے تھے جوشن میں پیچھے

وہ شعلہ ور اُدھر یہ شرر بار اس طرف
آفت ادھر تو حشر کے آثار اس طرف
عون اُس طرف محمد جرار اس طرف
حیدر ادھر تو جعفر طیار اس طرف
پنجے میں ساری فوج تھی بدخواہ کیا کریں
دو شیر جب بہم ہوں تو روباہ کیا کریں

جس پہلواں سے آنکھ لڑی وقتِ کارزار
تیغ نظر نے دم میں اُسے کر لیا شکار
تر تھے پسینے میں جو وہ ابروے نامدار
پیدا تھے صاف معنی شمشیر آبدار
اک ابتری تھی فوج ضلالت پناہ میں
تلواریں آٹھ چل رہی تھیں رزمگاہ میں

زور بیان

جب یہ بڑھے تو فوج کے سالار ہٹ گئے
چہروں پہ ڈھالیں رکھ کے سپہ کار ہٹ گئے

---

[1] خار و خس - مراد بے حقیقت -

ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں ستمگار ہٹ گئے پیدل تھے کس شمار میں اسوار ہٹ گئے
نامی جوان نہ منہ پہ دلیروں کے چڑھ سکے
ایسے دبے سوار کہ گھوڑے نہ بڑھ سکے

تیر اس طرف کٹے تو کمانیں ادھر کٹیں شانیں ادھر قلم ہوئے رانیں ادھر کٹیں
بھالے ادھر اڑے تو سنانیں ادھر کٹیں ہونٹھ اسطرف تو منہ میں زبانیں ادھر کٹیں
یوں ٹکڑے ٹکڑے جسم میں چار آئینے ہوئے
ہر آئینہ کے کٹ کے ہزار آئینے ہوئے

زرہوں کو جانتے تھے کہ زنبور کا ہے گھر بدتر تھی موم خام سے فولاد کی سپر
مثل خیار کٹتے تھے روئیں تنوں کے سر دو ہو کے گر پڑے وہ جو تھے آہنی کمر
خنجر دو نیم ہوگئے شمشیریں کٹ گئیں
کمروں کے ساتھ لوہے کی زنجیریں کٹ گئیں

میدان سے جبکہ ہٹ گیا سب لشکر گراں چھوٹے نے عون سے یہ کہا تب کہ بھائی جاں
اب ڈھونڈھیے کہ شمر بن سعد ہے کہاں پھر یہ مہم ہے سر جو ہوں یہ سر وہ بد زباں
مرتد ہیں بد مآل ہیں منحوس و شوم ہیں
کیا جانیں کس پرے میں نہاں دونوں بوم ہیں

یہ کہکے دونوں بھائی بڑھے چھیڑ کر عناں ناگاہ میمنہ سے نکل آئے دو جواں
مشہور تھے برادر عینی وہ پہلواں کاندھوں پہ گرز ہاتھوں میں تیغیں کہ الاماں
شہرہ تھا ان کا روم و رے و مصر و زنگ میں
مارا تھا ان کے باپ کو جعفر نے جنگ میں

زور بیان

آنکھیں نکالے سامنے آئے وہ خیرہ سر مکار و حیلہ ساز و جفاجو و کینہ ور
بدبین و بدشعار و بدآئین و بدگہر کج بحث و کج مزاج و کج افعال و کج نظر

اس طرح انہیں منحوس شور طالع، بدخصال، بدکیش، پست فطرت و بدمآل اور اسی قسم کی تمام برائیوں سے متصف کرنے کے بعد شاعر لکھتا ہے کہ

نیزے اُٹھا اُٹھا کے پکارے وہ ہرزہ گا ہاں اے نبیرہ اسد اللہ ہوشیار
تم طفل ہم ہیں رستم میدانِ کارزار دیکھو پیام مرگ ہیں ان برچھیوں کے وار
عبّاس سے کہو کہ بچانے میں کد کریں
شبیر کو بلا لو کہ آ کر مدد کریں

تیور بدل کے کہنے لگے عونِ خوشخصال رستم کو زال جانتے ہیں شیر حق کے لال
نام حسین ہم کو ہے کافی دم جدال یہ جاں کریں ہزار اگر تم سے ہوں شغال

پھر چھوٹے بھائی نے تلوار سنبھالتے ہوئے کہا کہ تمہیں اس سرکشی لاف زنی اور ادعائے فضول کی سزا ابھی مل جائے گی۔

حالتِ جوش و غضب

ضیغم جلال میں ہیں بڑھانا سنبھل کے ہاتھ چوٹیں کڑی پڑینگی تو بھاگو گے مل کے ہاتھ
ہم وہ ہیں جنکی تیغیں ہیں گویا اجل کے ہاتھ ہٹتے ہیں بڑھ کے پاؤں نہ رُکتے ہیں چلکے ہاتھ
پسپا کیا ہے فوجوں کو اکثر لڑائی میں
میداں ہمارے ہاتھ رہا ہر لڑائی میں

ـــ

لہ رستمِ میدان کارزار۔ بہت بہادر ٭ زال مراد ایک کمزور عورت

دونوں طرف سے چلنے لگے وار بار بار
شیروں کے نیمچے تھے شرربار بار بار

بڑھتے تھے جب ادھر سے وہ جرار بار بار
ہٹتے تھے پیچھے دب کے خطاکار بار بار

بُزدل قدم دغا میں بڑھاتے نہیں کبھی
روباہ منہ پہ شیر کے آتے نہیں کبھی

زورِ بیاں

نیزہ دونیم اُدھر ہوا گرزِ گراں اِدھر
تیر اس طرف قلم ہوئے شاخ کماں اُدھر

خُود اس طرف کٹا تو سرِ پہلواں اِدھر
زخمی اُدھر کلائی ہوئی انگلیاں اُدھر

سرکش کو پست کرتا ہے کلمہ غرور کا
دونوں کے پاس ایک نہ حربہ تھا دُور کا

ردّوبدل

تلوار کھینچ کھینچ کے آئے جو خیرہ سر
ردّوبدل ہوئی وہ غضب کی کہ الحذر

سن سن چلیں جو دونوں کی تیغیں اِدھر اُدھر
تن پر نہ اُس کے فرق تھا نہ دوسرے کا سر

گھوڑوں کے بھی زمیں میں قدم گڑ کے رہ گئے
دونوں کے سر جو پاس گرے لڑ کے رہ گئے

عباس شاد ہو کے پکارے کہ واہ واہ
معنی یہ ہیں جدال کے اَحسَنتَ مرحبا

کس غول میں چھپا ہے بن سَعد کینہ خواہ
یہ کیا ہوا کہ بھاگتے پھرتے ہیں روسیاہ

آپ آ کے خود لڑے کہ قوی بھی جواں بھی ہے
پہلو میں اس کے اور کوئی پہلواں بھی ہے

کہتے تھے شاہ دیں سے یہ عباس نیکنام کیا لڑ رہے ہیں فوج سے زینب کے لالہ فام
سنکر یہ ذکر شاد ہوئی خواہر امام پردے کے پاس آ کے پکاری وہ تشنہ کام

شاباش سرخرو کیا مجھ کو حضور سے
میں بھی بلائیں لیتی ہوں دونوں کی دور سے

بیتاب بھانجوں کیلئے تھے ادھر امام واں گھر گئے سپاہ میں زینب کے لالہ فام
دو تشنہ کام ہے غضب اور وہ ہجوم عام چھائی گھٹا کی طرح سے دونو پہ فوج شام

جب شام کے سوار نیزے اٹھا کے بڑھتے تھے۔ تو ایک دوسرے کی سپر بن جاتا اور اس طرح بھائی بھائی کو بچاتا تھا۔ اچانک چھوٹا بھائی مجروح ہو گیا۔

سنبھلا گیا نہ گھوڑے پہ تیورا کے گر پڑا
جلتی ہوئی زمین پہ غش کھا کے گر پڑا

مجروح بھائی کی یہ حالت دیکھ کر

گھوڑے سے کودنے جو لگے عون مہ جبیں ماری کسی نے عین جگر پر سنان کیں
پہلو پہ تیغ سر پہ لگا گرز آہنیں یہ بھی وہیں گرے کہ جہاں تھا وہ نازنیں

بہنے لگا تنوں سے لہو زخم پھٹ گئے
آپس میں دونوں بھائی گلے سے لپٹ گئے

بھرا تھا بغض و حسد دشمنوں کے سینے میں زیادہ تھے کہیں ابلیس سے وہ کینے میں
حسین امام کو راحت نہ دی مدینے میں وطن سے نکلے ہیں شعبان کے مہینے میں

اُٹھا کے راہ کی تکلیف نینوا پہنچے
دوئم تھی ماہِ عزا کی کہ کربلا پہنچے

بہشت بن گیا جنگل نبی کے پیاروں سے
زیادہ ہوگئی ذروں کی ضو ستاروں سے
علی کے چاند اتر آئے راہواروں سے
کہا حسین نے مڑ کر وفا شعاروں سے

اب اس زمیں پہ مرا آخری مقام ہوا
بخیر پہنچے یہاں تک سفر تمام ہوا

صبح شہادت نمودار ہوتی ہے۔ افسران فوج شام صفوں کو ترتیب دینے لگے۔

اودھر بھی شاہ کا آراستہ ہوا لشکر
صفیں بڑھیں تو کھلا نصرت اور فتح کا در
جب اہل شام مبارز طلب ہوئے بڑھکر
کہا حضور سے عباس نے کہ یا سرور

ہر ایک تول کے تلوار تا یہ جو بڑھ جائے
یہ مہر چھین لیں اُن سے تو آبرو بڑھ جائے

پھر حضرت عون و محمد کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ

ابھی سے دیکھیے الٹے ہیں آستینوں کو
ملا ہے رعب ید اللہ کے مہ جبینوں کو
فرس پہ جھومتے ہیں دیکھ کر لعینوں کو
طلب ہے پہلے اجازت کی ان حسینوں کو

بغیر حکم تو میدان میں جا نہیں سکتے
عنانیں روکے ہیں گھوڑے بڑھا نہیں سکتے

اک آہ بھر کے یہ بھائی سے بولے شاہ زماں
علی و فاطمہ کے ہیں یہ جسم پاک کی جان
ہزار حیف کہ لائی اجل کہاں سے کہاں
مزا تھا جنگ کا ہوتے اگر یہ طفل جواں

علی کی طرح اُولوالعزم ہیں دلیر ہیں ہم
پلے ہیں بیشۂ حیدر ہیں جو وہ شیر ہیں ہم

لشکرِ غنیم سے تیر باری شروع ہوتی ہے۔ اُس وقت فوجِ حسینی میں ہر جوان پہ سب کے شجاعت کا سُرخ رنگ آیا

رفقائے امام ایک ایک کرکے میدانِ جنگ میں جاتے ہیں۔ اور گلگونہ شہادت سے سرخرو ہو کر واپس آتے ہیں۔ اب اعزا و اقربا کی باری ہے۔

کھڑے ہیں بھانجے بھائی بھتیجے بیٹے سب — قریب قبلۂ دیں دست بستہ با صد ادب
ہر اک کو رخصتِ میدانِ جنگ کی ہے طلب — پھڑک رہا ہے دل شاہ روح پرور تعب
چلے کلیجے پہ شمشیرِ غم کسے بھیجیں
کہو رضا کسے مرنے کی دیں کسے بھیجیں

کوئی ہے قوتِ بازو کوئی ہے نور نظر — کوئی ہے تقویت دل کوئی ہے لختِ جگر
کوئی ہے راحتِ جاں کوئی یادگار پدر — بہن کے بیٹے ہیں بھائی کے بھی کئی ہیں پسر
رسول زادے ہیں بنت علی کے پیارے ہیں
یہ ایک برجِ امامت کے سب ستارے ہیں

جب حضرت مسلم کے صاحبزادے بھی جنگ میں کام آئے۔ تو حضرات عون و محمد اذن جنگ لیکر مقابلہ غنیم کے لئے روانہ ہوئے۔

اٹھائی باگ سمندوں کی شہسواروں نے — دکھائے برق کے انداز نیزہ داروں نے
کیا سپاہ کا رُخ شبیرِ حق کے پیاروں نے — بسایا دشت کو جعفر کے گلعذاروں نے

سلہ دل پھڑک رہا ہو۔ یعنی دل بے چین ہو۔

صدا اور روح کی آنے لگی لب جو سے
زمین مہکنے لگی گیسوؤں کی خوشبو سے

واقعہ نگاری

رواں ادھر سے ہوئے مرتضیٰ کے لخت جگر ادھر یہ فوج کو دی پیک تیز رو نے خبر
صفیں درست کریں اپنی فوج کے افسر جو پانی پینے گئے ہیں وہ سب پھر آئیں ادھر
یہ ذکر تھا کہ ادھر نامدار آپہنچے
قریب فوج پئے کارزار آپہنچے

کہا بڑے نے کہ ٹھہرو نہ یاں بڑھو بھائی بس اب اٹھا کے فرس کی عناں بڑھو بھائی
جدھر ہیں فوج کے افسر وہاں بڑھو بھائی کہا یہ چھوٹے نے تنکر کہ ہاں بڑھو بھائی
جہاں تھے پلٹن اس سمت تاک کر آئے
اُٹھا کے رخش جو آئے تو بے خطر آئے

دکھایا ہاشمیوں کا جلال دونوں نے ہجوم کا نہ کیا کچھ خیال دونوں نے
دکھائے جنگ و جدل کے کمال دونوں نے ہر ایک صف کو کیا پائمال دونوں نے
پروں کو توڑتے تھے جس طرف یہ جھکتے تھے
نہ اُن کے ہاتھ نہ گھوڑوں کے پاؤں رُکتے تھے

رزمیہ

ہوئی جو شعلہ فشاں میچوں سے آتش جنگ تو آنچ نے کیا تیغوں کی ماریوں کو تنگ

ںے

پھنکے[1] سوار بھڑکنے لگے کمیت و سرنگ ہر ایک زخم تھا انگارہ[2] بہر ہر سرہنگ

ہر اک سپر صفت برگ خشک[3] جلتی تھی

ہر استخواں سے جوں شمع لو نکلتی تھی

وہ دونوں تیغیں تھیں یا قہر خالق جبار کہ جس سے لاشوں کے زمیں لگا دئے انبار

زمین خون سے گلرنگ ہو گئی اک بار بلند ہوتا تھا جنگل میں سرخ پوش غبار

لہو کے ملنے سے آب فرات گدلا تھا

اوڑی تھی ڈر سے ہوا کا بھی رنگ بدلا تھا

زمیں پہ ڈھیر[4] ہیں ہر جا کٹی ہوئی بھالیں پڑی ہیں خاک سیہ[5] ہو کے چار سو ڈھالیں

یہ غل ہے موت کو ہم سر سے کسطرح ٹالیں[6] بچاؤ اب ہے اسی میں کہ راہ صحرا لیں[7]

لشکر پر خوف مسلّط ہو گیا۔ گھوڑے بھڑک کر پیچھے ہٹنے لگے۔ سوار سمندوں کو کوڑے مار کر ہوا ہو گئے۔

اسی سلسلۂ بیان میں یہ بیت ملاحظہ ہو۔

کسی کو تیغ کی بجلی نے کوند کر مارا

گرا جو کوئی تو گھوڑوں نے روند کر مارا

---

[1] پھنکنا۔ اچھلنا [2] زخم انگارہ ہونا۔ زخم آگ کا دھکتا ہوا کوئلہ بن رہا تھا۔ مراد یہ ہے کہ زخم جسم و روح کے لئے باعثِ اذیت تھا [3] برگ خشک کی طرح جلنا۔ دھڑ دھڑ جلنا۔ [4] ڈھیر ہیں جمع ہیں [5] خاکِ سیاہ ہونا۔ جل کر خاک ہو جانا۔ [6] سر سے ٹالنا۔ سر سے دور کرنا۔ [7] راہ صحرا لیں۔ صحرا کی طرف جائیں۔

بھگا کے دونوں نے میدان جنگ کر دیا صاف　　قدم[1] نہ ان کے تھمے جو عرب کے تھے اجلاف
شجاعت[3] اسکا تو کرتی تھی جرأت اسکا طواف　　وہ شیر معرکۂ رزم[2] یہ دلیر مصاف

کسی سے جنگ میں وہ جعفری نہ رکتے تھے
بڑھے ہی جاتے تھے دونوں جری نہ رکتے تھے

ان کے برق رفتار گھوڑوں کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں۔

وہ اسپ غیرت حور اور یہ پری پیکر　　وہ دوڑنے میں ہی صرصر[4] یہ چال میں فرفر
وہ رشک کبک دری یہ عقاب تیز نظر　　وہ صاعقہ دم پوئی یہ برق سے بڑھکر

اشارہ مڑنے کا پایا تو مڑ گئے دونوں
ہوا سے ہل گئیں باگیں تو اُڑ گئے دونوں[5]

مبالغہ شاعرانہ

نہ پہنچے خرمن گل کو ضرر کسی عنواں　　چلیں پھریں روشوں پہ تو ہوں نہ سم کے نشاں
دبے نہ سبزہ نہ کملائیں باغ کی کلیاں　　شگوفے ہوں متبسم تو غنچے ہوں خنداں

گرانی قدم اس طرح ناگوار نہ ہو
کہ جیسے پھولوں پہ خوشبو خود اپنی بار نہ ہو

افسر فوج شام بزدل سپاہیوں پر لعنت و ملامت کی بوچھاڑ شروع کر دیتا ہے۔ اور حکم دیتا ہے کہ دونوں بھائیوں کو نرغے میں لے لو۔

۱؎ قدم تھمنا ۔ قدم جم جانا ۔ مراد استقلال مردانہ ہے ۲؎ شیر معرکہ رزم ۔ مراد بہت بہادر ۳؎ شجاعت اس کا طواف کرتی ہے ۔ مراد یہ ہے کہ وہ بہت جری اور بہادر تھا ۔ ۴؎ دوڑنے میں صرصر ۔ آندھی کی طرح سبک رفتار ۵؎ ۔ اُڑ گئے ۔ ہوا ہو گئے ۔

یہ سُن کے لشکرِ ظلم کے نابکار بڑھے پیادے بائیں سے داہنے سے کل سوار بڑھے
اُٹھا اُٹھا کے سنانیں ستم شعار بڑھے عقب سے کھینچ کے تلواریں سہزار بڑھے

بحارِ ظلم کی موجوں پہ موج آ پہنچی
چہار سمت سے فوجوں پہ فوج آ پہنچی

زخموں کی کثرت سے اب یہ حالت ہے ۔ کہ

فرس پہ دونوں صغیروں کا غیر ہے احوال لگی ہیں سر پہ جو تیغیں تو زندگی ہے محال
عمامے دونوں کے کٹ کر ہوئے ہیں خون سے لال عطش سے حلق میں کانٹے پڑے ہیں جی ہے نڈھال

تھکے جو ہاتھ تو مجبور ہو گئے دونوں
یہ زخم کھائے کہ بس چور ہو گئے دونوں

لہو جو سر سے قدم تک بہا غش آنے لگے خدنگ جب لگے سینوں پہ تھرتھرانے لگے
چلے جو پشت پہ بھالے تو ڈگمگانے لگے اُٹھائے زخم تو گھوڑے بھی لڑکھڑانے لگے

نہ شکل بچنے کی دیکھی جفا پسندوں سے
زمینِ گرم پہ دونوں گرے سمندوں سے

لہ حال غیر ہونا ۔ بُرا حال ہونا ۲ہ زندگی محال ہونا ۔ زندگی دو بھر ہونا ۔ ۳ہ عطش سے حلق میں کانٹے پڑ جانا ۔ پیاس کی شدت سے بُرا حال ہونا ۴ہ چور ہو جانا ۔ نڈھال ہو جانا ۔

دوسری جلد ختم ہوئی